تحریر: ساجد علی گوندل

فہرست

تاریخ کا ایک سیاہ ورق

تحریر۔ساجد علی گوندل

Sajidaligondal11@gmail.com

کلیدی کلمات: حرہ ، حرہ واقم ، مدینہ، سیاسی حالات، امام سجاد[ع] مسلم بن عقبہ ، یزید بن معاویہ، عبداللہ بن حنظلہ، والی مدینہ عثمان بن محمد، بدر کا بدلہ، پیشگوئی رسول خدا [ص]۔

خلاصہ

مدینے سے مشرقی جانب ہونے والا یہ واقع کہ جسے تاریخ نے حرہ واقم کے نام سے یاد کیا ہے، انسانی تاریخ کا دردناک ترین واقع ہے۔ 63 ہجری یزید کے دور حکومت میں اہل مدینہ نے جب یزید جیسے فاسق و فاجر حاکم کی کارستانیوں کو قریب سے دیکھا تو پورے حجاز اور بالخصوص مدینے میں لوگوں نے اس کے خلاف آواز بلند کی۔ اور کہا کہ ہم ایسے فاسق و فاجر انسان کو خلیفہ کی حیثیت سے قبول نہیں کرتے۔ پس جب یہ خبر یزید کو ملی تو اس نے پہلے چند اپنے خاص افراد کے ذریعے ان آوازوں کو دبانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ جب یزید نے کہ دیکھا کہ لوگ اب اسے خلیفہ ماننے کو تیار نہیں ہیں تو تلوار کے زور پر اپنی خلافت منوانے کے لیے مسلم بن عقبہ کی قیادت میں ایک لشکر مدینے کی طرف روانہ کیا

۔پس شامی لشکر جب مدینے پہنچا تو بنی حارثہ کے چند افراد کی مدد سے، شہر کے گرد کھودی گی حفاظتی خندق کو عبور کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جیسے ہی یہ درندہ صفت انسان شہر میں داخل ہوئے تو ان کی تلواروں کے رنگ اہل مدینہ کے خوں سے سرخ ہو گئے۔انہوں نے کسی پر رحم نہ کیا، اصحاب رسول {ص} کو قتل کیا، لوگوں کی ناموس پر دست درازی کی، تاریخ نے نقل کیا ہے کہ اس واقع میں مدینے کی ایک ہزار کنواری لڑکی حاملہ ہوئی۔

تین دن تک مدینے میں ظلم کے سیاہ بادل چھائے رہے۔اور پھر اس سب کے بعد جو لوگ زندہ بچے ،زبردستی ان کے گلے میں یزید کی غلامی کا طوق ڈال دیا۔اور کہا گیا کہ آج سے تم لوگ یزید کے غلام ہو۔اور جو اس حکم سے رو گردانی کرے اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔تاریخِ انسانیت میں ایسے واقعات انسانیت کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ ہیں۔اور پھر اس پر اپنے ذاتی مفاد یا چند سکّوں کی خاطر ،ان جیسے انسانیت سوز واقعات کی مثبت تاویل کرنا انسانیت کی کھلی تذلیل ہے۔

مقدمہ

لفظ انسان مادہِ اُنس سے ماخوذ ہے۔اُنس یعنی پیار و محبت کی ایک روحانی دینا۔اسی طرح انسانیت یعنی وہ احساس کہ جو دوریوں کو ختم کر کے افراد کو قریب لاتا ہے ۔ جہاں نفرت اور ظلم وتاریکی جیسے مفاہیم کی کوئی گنجائش نہیں۔پس انسان یعنی محبت کی فراوانی ، ثریا کی بلندی، علم کا مرکز، جہالت کی ضد، اقدار کی دینا، تہذیب کا گہوارہ، اپنوں کا خوبصورت احساس ، خُلق میں احمد {ص}، شجاعت میں حیدر {ع} ، سخاوت میں حاتم اور سخن میں حافظ وسعدی واقبال۔

پس اگر یہ انسان ہے تو پھر یہ ظلمت وتاریکی، یہ جبر واستبداد ، یہ درندگی، یہ خون ہی خون، یہ نفرتیں، یہ گلوں کا کٹنا، بنت حوا کی سسکیاں، جہالت کے اندھیرے اور یہ ذلت کی پستیاں، یہ سب کیا ہے ؟۔میں کہوں گا کہ جب تک انجن میں موجود پرزے اپنے خاص اصول وضوابط کے تحت حرکت کرتے رہیں، تو نہ تو ان کو زنگ لگتا ہے اور نہ ہی وہ وقت سے پہلے فنا کا شکار ہوتے ہیں۔

بالکل ایسے ہی جب تک انسان اپنی خلقت سے سازگار فطری اصولوں کا دامن نہ چھوڑے ،اور صراط مستقیم پر گامزن رہے تو یقیناًانسان الفت و محبت کی ایک ایسی روحانی دنیا ہے کہ جس پر ملائکہ نازاں ہیں۔ مگر طول تاریخ انسانیت میں جیسے ہی انسان نے فطری راستوں کو پشت دکھائی تو قدم بہ قدم ظلمت کی اندھیری وادیوں میں دھنستا چلا

گیا۔ اور بالآخر اس مقام پر پہنچا کہ جہاں اگر اسے درندہ بھی کہا جائے تو یہ دراصل صفت درندگی کی توہین ہو گی۔ تاریخ کے دامن میں ایسے بہت سارے واقعات ہیں کہ جن سے خود انسانیت شرمندہ ہے۔ اور واقع حرہ اس کا ایک منہ بولتا ثبوت ہے۔ تاریخ میں اس طرح کے واقعات کا ظہور جہاں انسانیت کے لیے باعث ننگ و عار ہے وہیں اگر ان جیسے واقعات کی صحیح معنوں میں، مختلف زاویوں سے بررسی کی جائے تو انسان پر اس کی زندگی کے بہت سارے مبہم و پنہان پہلو واضح و آشکار ہوتے ہیں۔ لہذا محققین واہل نظر کو چاہیے کہ کم از کم تاریخ اسلام میں رونما ہونے والے ایسے انسان سوز واقعات کی اس انداز سے بررسی کریں کہ سے ان کے مبہم و تاریک پہلو کھل کر سامنے آئیں۔ کیونکہ تاریک نویسی میں حاکمان کا تسلط اور پھر تاریخی واقعات میں راویوں کا تضاد اس کے اصلی چہرے کو مسخ کرنے کے لیے کافی ہیں۔

تاریخ اسلام میں باقی واقعات کی مانند واقع حرہ بھی ان واقعات و حوادث میں سے ہے کہ جس کے متعلق انسانی ذہن میں بہت سارے سوالات جنم لیتے ہیں۔ جیسا کہ ۔۔اس قیام میں مدینے کے لوگوں کا حقیقی انگیزہ کیا تھا؟ ان کی فکری ماہیت کیا تھی؟ ان کے سیاسی رہبران و سربراہ کون تھے؟ اس کے اصلی علل واسباب کیا تھے؟ اس قیام کا قیام حسینی {ع} سے کیا ربط تھا؟ اور پھر امام سجاد {ع} کا اس قیام سے کیا ربط تھا؟۔ وغیرہ وغیرہ

معنی حرہ

کالے رنگ کے سخت پتھروں والی زمین کو حرہ کہتے ہیں ۔ کیونکہ مدینے کے اطراف میں بہت سارے ایسے پتھریلے حصے ہیں کہ جن میں سے ہر ایک کو اس پر رہنے والے قبیلے کے نام سے منسوب کیا جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ واقم عمالیق قبیلے میں سے کسی شخص کا نام یا مدینے کے قلعوں میں سے کسی قلعے کا نام تھا۔ کیونکہ یہ قیام مدینے سے مشرقی جانب حرہ واقم یا حرہ زھرہ نامی جگہ سے شروع ہوا ، لہذا تاریخ میں اسے واقع حرہ کے نام سے شہرت ملی۔ اگر اسے حِرہ زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو عطش و پیاس کے معنی میں ہے۔

تاریخ وقوعہ

اکثر تاریخی منابع میں واقعہ حرہ کے آغاز کو 63 ہجری 27 یا 28 ذی الحجہ لکھا گیا ہے ۔ لہذا جنہوں نے اس واقع کو 62 ہجری میں ذکر کیا ہے انہوں نے تاریخی اشتباہ کیا ہے۔ اس حادثے کی تاریخ کو مندرجہ ذیل دو تاریخوں میں ذکر کیا گیا ہے۔

وكان وقعت الحرة يوم الاربعاء لِثلاث بقين من ذى الحجة سنة ثلاث و ستين

کہ یہ واقع 63 ہجری 27 ذی الحجہ کو پیش آیا

وکانت وقعت الحرۃ یوم الاربعاء لِلیلتین بقیتامن ذی الحجۃ سنۃ ثلاث و ستین

کہ یہ واقع 63 ہجری 28 ذی الحجہ کو پیش آیا۔

موقیعتِ جغرافیائی

حرہ واقم کہ جہاں سے اس دردناک واقعہ کا آغاز ہوا ، یہ مقام مدینے کے مشرقی جانب واقع ہے۔ یاقوت حمودی کے البلدان میں اسے یوں نقل کیا ہے "حرۃ واقم احدی احرتی المدینۃ، وھی الشرقیۃ، سمیت برجل من العمالیق، اسمہ واقم"

حرہ واقم مدینے کے مشرقی جانب واقع ایک مقام کا نام ہے۔ اور اس کا یہ نام عمالیق قبیلے میں سے "واقم" نامی شخص کی نسبت سے ہے۔ جب مسلم بن عقبہ اپنے شامی لشکر کے ساتھ مدینے پہنچا تو اس نے اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ پڑاو ایسی جگہ اور اس انداز سے ڈالا جائے کہ جب سورج طلوع کرے تو ان کی پشت کی جانب سے بلند ہو، تاکہ مقابلے کے وقت سورج کی کرنیں اہل مدینہ کو بالکل سامنے سے پڑیں۔ پس اس لحاظ سے حرہ واقم ان کے لیے ایک مناسب جایگاہ تھی۔ بلاذری نے اس مطلب کو یوں نقل کیا ہے۔

"ولما اقبل مسلم بن عقبۃمن الشام ، فقال انزلونی منزلا اذا حاربت القوم استدبرتنی الشمس واستقبلتھم ، فنزل بحرۃ واقم ، شرق المدینۃ "

مدینہ واہل مدینہ کی فضیلت

اس شہر کی عظمت و فضیلت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ طول تاریخ اسلام میں یہ شہر بہت اہمیت کا حامل رہا ہے۔اس کی فضیلت میں بہت ساری روایات نقل ہوئی ہیں۔ اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ اہل مدینہ کے بارے میں بھی تاریخ نے بہت کچھ ذکر کیا ہے۔ نمونے کے طور پر یہاں مندرجہ ذیل چند روایات کو ذکر کیا گیا ہے۔

عن حسان بن مهران قال ؛عن امير المومنين ع ، مكة حرم الله و المدينة حرم رسول الله و الكوفة حرمى ، لايريدها جبار بحادثة الا قصمه الله۔

حضرت علی [ع] نے فرمایا کہ : مکہ حرم خدا ہے اور مدینہ ، حرم رسول خدا ہے جبکہ کوفہ میرا حرم ہے۔ ہر وہ شخص کہ جو ان شہروں کی نسبت ظلم و ستم کا ارادہ کرے تو خداوند متعال اسے نیست ونابود کر دے گا۔

اسی طرح ایک اور روایت میں یوں نقل ہوا ہے۔

عن جميل بن درّاج ، قال : سمعت اباعبدالله يقول : قال رسول الله[ص]: من احدث بالمدينة حدثاً او آوى محدثا فعليه لعنة الله ، قلتُ : وماالحدث؟ قال : القتل ۔

رسول خدا[ص] نے فرمایا:اللہ کی لعنت ہواس شخص پر کہ جو مدینے میں ناشائشتہ کام انجام دے،اوراس پر بھی کہ جواسے شخص کو یہاں پناہ دے۔راوی کہتاہے میں نے سوال کیا، یارسول اللہ [ص] ناشائشتہ کام سے آپ کی کیامراد ہے ؟ توآپ [ص] نے فرمایا: قتل و غارت۔

اسی طرح اہل مدینہ کے بارے میں کچھ یوں نقل ہواہے۔

من اخاف اهل المدينة ظالما ، لهم اخافه الله و كانت عليه لعنةالله ۔

اس طرح کی اور بھی بہت ساری روایات ہیں کہ جن میں مدینے کی فضیلت کاذکر ہواہے اوراہل مدینہ پر ظلم وستم روارکھنے والوں سے برائت کااظہار کیاگیاہے۔ان جیسی روایات کے مدنظریہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جو شخص بھی اہل مدینہ پر ظلم وستم کرے اس پراللہ کی لعنت برستی ہے۔

واقعۂ حرہ سے پہلے مدینے کے سیاسی حالات

جیسا کہ تاریخی منابع سے یہ بات ثابت ہے کہ حجاز کے لوگ خلیفہ اول و دوم کے کردار و گفتار کو پسند کرتے جبکہ اس کے برعکس شامی اموی گراتھے۔اسی وجہ سے حجازیوں کو "بو بکری و عمری" بھی کہا جاتا۔اگر شہر مدینہ کی بات کی جائے تو اس میں مہاجر و انصار ہر دو طرح کے افراد موجود تھے ۔ اور خلیفہ دوم نے اپنے زمانے میں اہل مدینہ کے ساتھ حسن سلوک سے کام لیا اور اہل مدینہ پر اپنے جود و بخشش کی برسات کی ۔ مگر خلیفہ سوم کے قتل کے بعد حالات یکسر ہی تبدیل ہو گے۔ جسے حکومت کی دور بنوامیہ کے پاس آئی تو اہل مدینہ پر سخت حالات نے گھیرا ڈال لیا۔ معاویہ و یزید نے جو سخت رویہ اہل مدینہ کے ساتھ اختیار کیا وہ مدینے کے لوگوں کے لیے ناقابل برداشت تھا۔اور دوسری جانب قیام حسینی کے بعد لوگوں کے یزید کا اصلی چہرہ محسوس لیا ۔اور اس سب کے ساتھ ساتھ امویوں کی طرف سے مدینے میں نصب کیے گے کرپٹ حاکم سبب بنے کہ مدینے کے لوگوں نے اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھانا شروع کر دی۔اور پھر سرزمین حجاز میں ابن زبیر کا امویوں کے خلاف آواز بلند کرنا، مدینے کے لوگوں کے لیے حوصلہ افزا امر تھا۔اور پھر جیسے ہی مدینے کی چند برجستہ شخصیات نے اموی حاکم یزید کے اعمال کو قریب سے دیکھا تو عملی طور پر یزید کی حکومت کے خلاف صف آرائی شروع کر دی۔

علل واسباب اور فکری خطوط

اگر واقع حرہ کے اسباب کے بارے بات کی جائے تو اس مورد میں ہمیں تین فکری خط یا زاویے نظر آتے ہیں۔اس بارے میں ہمارے پاس تاریخی روایات موجود ہیں کہ جن میں سے ہر روایت ایک خاص زاویے کو بیان کرتی ہے۔ یہاں ضروری ہے کہ ان تینوں کا ذکر کیا جائے۔

بلاذری روایت کرتا ہے کہ "جب عبداللہ بن مطیع نے اپنے بھائی عمرو کو قتل کیا اور لوگوں کو یزید کے خلاف جہاد کی دعوت دی تو اس پر لوگوں نے اس کی آواز پر لبیک کہا۔ پس یہ مدینے کے لوگوں سے ابن زبیر کے لیے بیعت لینے لگا۔ جب یزید کو اس واقع کی خبر ملی تو اس نے اپنے مقرر کردہ والی عثمان بن محمد بن ابوسفیان کو پیغام بھیجا کہ وہ اہل مدینہ میں سے چند برجستہ شخصیات کو لے کر شام کا رخ کرے۔

جبکہ یعقوبی کی روایت کے مطابق۔۔۔

عثمان بن محمد جب والی مدینہ بنا تو ابن مینا نامی شخص جب اموال "صوافی" کو مدینہ سے شام خلیفے کے لیے لے جانے لگے تو ایک گروہ نے اس کی شدید مخالفت کی ،اور کہا کہ یہ مال ہمارا ہے۔ پس اس قضیے پر والی مدینہ اور لوگوں کے درمیان نزع اس قدر بڑھا کہ لوگوں نے اس قدر شورش بلند کی کہ امویوں کو شہر سے نکال دیا۔

اور طبری نے کچھ یوں روایت نقل کی ہے۔۔۔۔

عثمان بن محمد نے مدینے کی ولایت سنبھالتے ہی یزید کی فرمائش پر وہاں سے بزرگان کے ایک گروہ کو شام کی طرف بھیجا تاکہ وہ قریب سے یزید کی سخاوت و بخشش کو دیکھیں۔ یہ گروہ تو گیا مگر واپسی پر بجائے اس کے یہ مدینے کے لوگوں کے سامنے یزید کی تعریف کرتے،انہوں نے یزید کی برائیوں کو بیان کرنا شروع کر دیا۔اور کہا "لیس له دین ، یشرب الخمر ، یعزب بالطناطیر و یضرب عنده القیان و یلعب بالکلاب " ہم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہیں کہ جس کا کوئی دین نہیں،جو شراب پیتا ہے۔لہو ولآب و محفلوں اور موسیقی کا عادی ہے اور کتوں سے کھیلتا ہے۔لہذا ہم ایسے شخص کی اطاعت کو قبول نہیں کرتے اور اسے خلیفہ نہیں مانتے۔

ان روایات کو نظر میں رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس واقع میں تقریباًان ذکر شدہ تمام اسباب کا عمل دخل ہے۔اگرچہ اس قیام میں مدینے کے لوگوں نے قیامِ کربلا سے اثر لیا مگر یہ بھی نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اس قیام کی فکری و سیاسی ماہیت قیامِ کربلا سے پیوستہ ہے۔بلکہ اس قیام کا اصلی محرک اہل مدینہ کا یزید جیسے فاسق وفاجر شخص کے کارناموں کو قریب سے درک کرنا،اور ساتھ ساتھ حجاز و مدینے میں زبیریوں کا نفوذ تھا۔جیسا کہ ابن قتیبہ اور دینوری نے اس قیام کو قیامِ ابن زبیر سے مربوط کیا ہے۔

اسی طرح مسعودی نے بھی یہی کہا ہے کہ مدینے سے امویوں کا اخراج عبداللہ بن زبیر کی ایماء پر کیا گیا ،یعنی اہل مدینہ کے قیام کو ابن زبیر سے مربوط کیا ہے۔اور پھر اعثم کوفی نے

بھی اس بات کو اسی طرح ہی نقل کیا ہے کہ ابن زبیر نے عبداللہ بن حنظلہ کو والی مدینہ منتخب کیا۔

پس اس طرح کی روایات سے باآسانی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگرچہ اس قیام نے ابتدائی طور پر قیام حسینی {ع} سے حرارت و گرمی حاصل کی۔ اور اہل مدینہ نے اپنے و اپنے اہل خانہ کے حقوق کی حفاظت اور یزید کی عیاریوں کے خلاف آواز بلند کی، مگر تدریجاً اور نہایتاً اس میں زبیری فکر نے نفوذ کیا۔ مدینہ کیونکہ جغرافیائی اعتبار سے دمشق و مکہ کے درمیان میں واقع ہے اور دونوں کے لیے معاشی و سیاسی لحاظ سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ لہذا زبیریوں نے اپنے سیاسی اہداف کے حصول کے لیے اس تحریک کو اپنی جانب موڑ لیا

واقع حرہ

جیسے ہی مدینے میں ہونے والی شورش کی خبر یزید تک پہنچی تو اس نے عبداللہ بن جعفر و بشیر بن نعمان کہ جو انصار میں سے امویوں کا حامی تھا ، کے ذریعے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے اور کنٹرول کے کی کافی کوشش کی مگر لوگوں نے ان کی ایک نہ سنی۔ مدینے کے لوگوں نے عبداللہ بن حنظلہ کی سربراہی میں عثمان بن محمد [والی مدینہ] کو عہدے سے ہٹادیا اور عبداللہ بن حنظلہ کی بیعت کرلی۔ ابن اعثم کوفی کے مطابق عبداللہ بن حنظلہ ابن زبیر کی طرف سے والی مدینہ مقرر ہوا۔ اور لوگوں نے مروان کے گھر موجود امویوں کا محاصرہ کرلیا جو کہ تقریباً 1000 افراد تھے۔ جیسے ہی ان حالات کی خبر یزید تک پہنچی تو

اس نے مسلم بن عقبہ کی سربراہی میں ایک لشکر مدینے کی طرف روانہ کیا۔ اور شام کے لوگوں سے کہا کہ جو بھی مسلم کے لشکر میں شامل ہوگا سے 100 دینار اضافی دیئے جائیں گے۔ یہ سنتے ہی بہت سارے شامی اس لشکر میں شامل ہوگے۔ مسلم بن عقبہ کی سربراہی میں جو لشکر مدینے کی طرف آیا اس کی تعداد 5000 سے 27000 تک لکھی گی ہے۔

ادھر مدینے کے لوگوں نے امویوں کو اس شرط وعہد پر شہر سے باہر جانے کی اجازت دی کہ ان میں سے کوئی بھی نہ تو شامی لشکر میں شامل ہوگا، اور نہ ہی کوئی ان کے سامنے مدینے کی کوئی خبر فاش کرے گا۔ اسی دورانیے میں مجموعی طور پر مکہ و مدینے سے نکالے جانے والے افراد کی تعداد کو 4000 تک شمار کیا گیا ہے۔ جب مسلم کی سربراہی میں لشکر نے مدینے کی طرف حرکت کی تو یزید نے مسلم کو حکم دیا کہ

"ادع القوم ثلاثاً فان رجعوا الی الطاعة فاقبل منهم و کف عنهم و الا فاستعن بالله و قاتلهم ، و اذا ظهرت علیهم فابح المدینه ثلاثاً ثم اکفف عن الناس"

جاو اور اہل مدینہ کو تین دن کی مہلت دو تاکہ وہ میری اطاعت میں آجائیں پس اگر وہ اطاعت کر لیں تو ان سے صرف نظر کرو۔ اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان سے جنگ کرو اور ان کا خون بہاو۔ اور جب ان پر غلبہ پالو تو تین دن تک مدینے کو اپنے لشکریوں پر حلال قرار دو۔

پس جیسے ہی اہل مدینہ کو اس لشکر کی خبر ملی تو انہوں نے اپنے دفاع کے لیے شہر کے اطراف میں ایک خندق کھودی تاکہ دشمن اسے پار کر کے شہر کی حدود میں داخل نہ ہو سکے ۔ شامی لشکر جب مدینے پہنچا تو انہوں نے حرہ واقم نامی جگہ پر پڑاو ڈالہ ۔ اور یہاں ہی عبدالملک بن مروان ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اس نے اپنے کیے ہوئے عہد کا کچھ بھی پاس نہ رکھتے ہوئے، مسلم کے ساتھ ملکر شہر پر حملہ کرنے کا نقشہ تیار کیا۔ مروان نے قبیلہ بنی حارثہ کے چند افراد کو مال ورز کا لالچ دے کر، ان کی مدد سے شامی فوج کو مدینے کے اندر داخل کر دیا۔

جیسے ہی شامی فوج مدینے میں داخل ہوئی تو اس نے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ ہر طرف خون ہی خون تھا۔ مدینے میں موجود کوئی مرد و عورت، بچہ، بوڑھا و جوان ایسا نہ تھا کہ جو ان کے ظلم و ستم کا شکار نہ ہوا ہو۔ تاریخی منابع میں اس حادثے میں قتل ہونے والوں کی تعداد کو 10700 سے 11700 تک لکھا گیا ہے۔ راوی نقل کرتا ہے۔

"قتل من اصحاب النبی {ص} ثمانون رجلاً و من قریش و الانصار سبع مئة ، ومن سائر الناس من االموالی و العرب و التابعین عشرة آلاف "

اس واقعے میں قتل ہونے والوں میں 80 افراد اصحاب رسول {ص} میں سے، 700 مہاجرین وانصار میں سے جبکہ باقی موالی وتابعین میں سے 10000 افراد قتل ہوئے۔

اس بارے میں مسعودی یوں رقم درازہیں۔

" قتل من آل ابی طالب اثنان و من بنی هاشم ثلاثلة و بضع و تسعون رجلاً ، من سائر قریش و مثلهم من الانصار و اربعة آلاف من سائر الناس و دون من لم یعرف "

اس حادثے میں خاندان ابو طالب میں سے دو افراد اور بنی ہاشم و قریش میں سے تقریباً نوے سے زیادہ افراد جبکہ ان کے علاوہ باقی چودہ ہزار لوگوں کو قتل کیا گیا۔

اسی طرح ایک اور جگہ تاریخ نے اس مطلب کو یوں نقل کیا ہے۔

" قتل یوم الحرة سبعمائة من حملة القرآن و کان فیهم ثلاثة من اصحاب النبی {ص} "

واقع حرہ میں قتل ہونے والے افراد میں سے 700 افراد حافظان قرآن تھے کہ جن میں سے تین صحابی رسول تھے۔

المختصر شامی فوج نے مدینے میں اخلاقی اقدار کو خوب پامال کیا۔ اور انسانیت سے گرے ہوئے ہر اس کام کو انجام دیا کہ جس سے روح انسانیت کانپ اٹھے۔ اور ظلم کی وہ داستان رقم کی کہ جیسے پڑھ کر دل دہل جائیں۔

نقل ہوا ہے کہ اسی دورانیے میں ایک شامی، ابن ابی کبشہ انصاری کے گھر داخل ہوا۔ ابن ابی کبشہ کی زوجہ نے اسی وقت بچے کو جنم دیا تھا۔ شامی نے گھر میں داخل ہوتے ہی اس خاتون سے سوال کیا کہ ، کیا گھر میں کوئی ایسی چیز ہے کہ جیسے میں لوٹ کر لے جاوں ؟ اس خاتون نے کہا کہ اللہ کی قسم یہاں کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔ پس اس شامی نے غصے کی حالت مین اس نو مولود کو اٹھایا اور دیوار پر اس طرح دے مارا کہ اس معصوم بچے کا مغز باہر آگیا۔ کہتے ہیں کہ وہ شامی ابھی گھر سے باہر نہیں نکلا تھا کہ اس کے چہرے کا بعض حصہ سیاہ ہونے لگا۔

مالک بن انس سے نقل ہوا ہے کہ

"وقد اختفى جماعة من سادات منهم جابر بن عبدالله و خرج ابو سعيد الخذري ملجا الى غار في جبل "

اس کے علاوہ بہت سارے افراد ایسے تھے کہ جو اپنی جان بچانے کے لیے مخفی ہو گے۔ اور انہوں نے پہاڑوں میں پناہ لی کہ جن میں قابل ذکر نام، جابر بن عبد اللہ انصاری اور ابو سعید خذری ہیں۔

خلیفہ بن خیاط نے اپنی کتاب میں ان تمام افراد کے نام ذکر کیے ہیں کہ جو اس حولناک واقع میں قتل ہوئے۔

جبکہ واقع حرہ نامی کتاب میں صاحبِ کتاب نے ایک فہرست میں مشہور مقتولین کی تعداد اور قبیلے کو ذکر کیا ہے۔

فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

مہاجرین {قریش}-------------------145افراد

قبیلہ اوس------------------------66افراد

قبیلہ خزرج----------------------137افراد

عدنانی قبائل----------------------25افراد

قحطانی قبائل----------------------22افراد

ہم پیمانِ قریش--------------------16افراد

ہم پیمانِ انصار--------------------10افراد

موالی {غلام}---------------------8افراد

یہ وہ مشہور افراد ہیں کہ جن کے نام تاریخی منابع میں نقل ہوئے ہیں وگرنہ مجموعی طور پر مقتولین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

ذہبی اس واقعے کے متعلق یوں لکھتے ہیں کہ " واقعہ حرہ میں اصحاب وتابعین ومہاجرین و انصار کا قتل کیا گیا، مسجد نبوی کی حرمت کو پامال کیا گیا حتی اس میں گھوڑے باندھے گے اور روضہ رسول {ص} کو آلودہ کیا گیا۔

خواتین کی عصمت دری

جب شامیوں نے اہل مدینہ پر غلبہ پا لیا تو مسلم بن عقبہ نے یزید کے دستور کے مطابق ، تین دن تک مدینے کے لوگوں کی جان ومال وناموس کو اپنے سپاہیوں پر حلال کر دیا۔

اس بات کو ابن کثیر نے یوں بیان کیا ہے۔

"ثم اباح مسلم بن عقبه الذی یقول فیه السلف مسرف بن عقبه ، قبحه الله من شیخ سوء ماأجهله المدینة ثلاثة ایام کما امره یزید ۔۔۔الی الآخر "

مسلم بن عقبہ {کہ جس نے مدینے میں اس قدر لوگوں کو قتل کیا کہ اسے مسرف کہا جانے لگا} نے یزید کے حکم کے مطابق تین دن تک مدینے کو اپنے سپاہیوں پر حلال قرار دیا
۔

شامیوں نے تین دن تک اہل مدینہ کی ناموس کو اس قدر پامال کیا کہ جس کے نتیجے میں ایک سال بعد، مدینے میں 1000 ولدالزنا بچوں کی پیدائش ہوئی۔اس مطلب کو ابن کثیر نے کچھ یوں بیان کیا ہے۔

"قال المدائنی من ابی قرة قال: قال هشام بن حسان : ولدت الف امراة من اهل مدینة بعد وقعة الحرة من غیر زوج

کہ واقعہ حرہ کے بعد مدینے کی ایک ہزار کنواری لڑکیوں نے بچوں کو جنم دیا۔

بدر کے مشرکین کا بدلہ

بہت سارے علماء اہل سنت نے اس بات کو نقل کیا ہے کہ واقعہ حرہ میں یزید اور باقی امویوں نے بدر میں مارے جانے والے اپنے مشرک مقتولین کے بدلے کے عنوان سے، بالخصوص انصار کو ایسے قتل کیا، یہاں تک کہ ایک بدری صحابی بھی باقی نہ بچا۔

اور اہل مدینہ کے حالات کو سن کر خوشی کی حالت میں یزید کا، مشرک عبداللہ بن زبعری کا شعر پڑھنا، خود اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حرہ میں انصار کا قتل بدری مشرکین کا بدلہ تھا۔

تاریخ میں نقل ہوا ہے کہ جب یزید نے مدینے کے حالت سنے تو مندرجہ ذیل شعر پڑھا۔

لیت اشیاخی ببدر شھدوا ۔۔۔۔۔۔ جزع الخزرج من وقع الاسل

کاش میرے وہ بزرگ کہ جو بدر میں قتل ہوگے، آج دیکھتے کہ قبیلہ خزرج نے کتنی کاری ضرب کھائی ہے۔

لاھلوا و استھلوا فرحاً۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ولقالوا یایزید لا تشل

یہ سب دیکھ کر وہ خوشی کی حالت میں بلند صدا دیتےاور میرا شکریہ ادا کرتے۔

فجزیناہ ببدر مثلاً۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ و اقمنامثل بدر فاعتدل

آج ہم نے ان کو بدر کا صلہ دے دیا ہے۔اور جو کچھ انہوں نے ہمارے ساتھ کیا تھا، ہم نے انہیں پلٹادیا ہے۔

لست من خندف ان لم انتقم ۔۔۔۔۔۔۔ من بنی احمد ماکان فعل

اور میں خندف کا بیٹا ہی نہیں ہوں کہ اگر بنی احمد { ذریت رسول ص } سے انتقام نہ لوں۔

اہل مدینہ و غلامی کا طوق

پس جب قتل وغارت کا یہ بازار کچھ ٹھنڈا ہوا تو مسلم بن عقبہ نے باقی بچے تمام افراد کو اکٹھا کیا۔ اور ان سے یزید کے لیے اس انداز سے بیعت لی کہ وہ خود بھی اور ان سب کے ماں باپ بھی یزید کے غلام ہیں۔ تاریخ نے اس بات کو یوں نقل کیا ہے۔

"فدخل مسلم بن عقبه المدينة فدعا الناس للبيعة على انهم خول ليزيد بن معاوية ، و يحكم فى دمائهم و اموالهم و اهليهم ما شاء "

جب مسلم بن عقبہ مدینے میں داخل ہوا تو اس نے لوگوں کو کہا کہ ، تم لوگ یزید بن معاویہ کی بیعت اس انداز سے کرو، کہ وہ جب اور جیسے چاہے تمہاری جان، مال و ناموس تصرف میں لائے۔

اور جو اس حکم سے سر پیچی کرتا اس کی گردن اڑا دی جاتی۔

اس بیعت سے صرف دو لوگ خارج تھے۔ امام سجاد { ع } اور علی بن عبداللہ۔

امام سجاد {ع} اور واقع حرہ

امام {ع} نے اس قیام میں حصہ نہ لیا۔ اور اس قضیے میں بی طرفی اختیار کی ۔ کیونکہ امام {ع} جانتے تھے کہ اس قیام کی بھاگ زبیریوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور کیونکہ امام {ع} اس شورش کا حصہ نہ بنے لہذا شامی لشکر کو بھی امام {ع} سے کوئی سروکار نہ رہا ۔ بلکہ اس قضیے میں امام سجاد {ع} کا گھر امان گاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ کیونکہ اس واقع میں ایک طرف امویوں کا فتنہ تھا، کہ جس کے بارے میں حضرت علی {ع} نے فرمایا:

الا و ان اخوف الفتن عندی بنی امیه . فانها قتله عمیاء عظیمة

آگاہ رہو کہ میری نظر میں سب سے بڑا اور خطرناک ترین فتنہ، فتنہِ بنو امیہ ہے۔

اور دوسری جانب دوسری جانب زبیریوں کا فکری جال ، لهذا امام {ع} نے ایسی حالت اس قضے سے کنارہ کشی اختیار کی ۔ اور اس حکمت پر عمل کیا کہ جس میں امام علی {ع} نے ارشاد فرمایا کہ :

"کن فی الفتنة کابن اللبون لا ظهر فیرکب ولا ضرع فیحلب"

کہ فتنوں کے زمانے میں اونٹ کے اس دو سالہ بچے جیسے ہو جاو کہ جس کی پیٹھ اس قابل نہیں ہوتی کہ اس پر سواری کی جاسکے اور نہ ہی اس کے پستان اس قابل ہوتے ہیں کہ ان سے دودھ دویا جاسکے۔

پیش گوئی رسول خدا {ص}

تاریخ میں یہ بات نقل ہوئی ہے کہ ایک دن رسول خدا {ص} حرہ واقم کے علاقے سے گزر رہے تھے کہ اچانک آپ {ص} نے پڑھا: اناللہ واناالیہ راجعون، صحابہ ڈر گے کہ شاید سفر میں کوئی حادثہ پیش آنے والا ہے۔ رسول خدا {ص} نے فرمایا: کہ نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ میں نے کلمہ استرجع اس لیے نہیں پڑھا کہ ابھی کوئی حادثہ پیش آنے والا ہے ،بلکہ یہ جس جگہ کو تم دیکھ رہے ہو، عنقریب میری امت کے برجستہ افراد یہاں قتل کیے جائیں گے۔

سلام ماں

تحریر۔ساجد علی گوندل

Sajidaligonda55@gmail.com

" اُم ابیھا" کبھی کبھی جبر سے فرار ممکن نہیں۔ضروری ہے کہ طبیعت کے قوانین کے سامنے سر خم کرلو،اور کہو چشم۔

مجبور ہو کہ گھر کے دروازے کو گرمی، سردی، بہار و خزاں میں کھولا رکھو۔۔۔ مجبور ہو کہ موت کے سامنے ہتھیار ڈال دو اور لبیک کہو۔۔۔ مجبور ہو ،اُن ناگہانی آفات کے سامنے تسلیم ہو جاو کہ جو اچانک سے آکر تمہارے گھروں کو ویران کر دیں۔۔۔۔ مجبور ہو کہ غم کو خوش آمدید کہو۔۔۔۔اور عشق کے سامنے شانے جھکا دو اور کہو کہ ۔۔۔۔آ۔۔۔یہ تیرا ہی گھر ہے۔۔۔تا کہ وہ اپنی تمام خوبیوں اور تلخیوں کے ساتھ تمہارے خانہِ دل میں قدم رکھے ۔۔۔۔عشق کہ جو مہمان بن کے دل کی وادی میں قدم زن ہوتا ہے مگر پھر تمام ہستی و وجود کا مالک ۔۔۔۔ حتی ایک دن آنکھ کھول کر دیکھا کہ وجود میں سوائے عشق کے کچھ باقی نہیں۔۔۔۔آنکھوں کی غنودگی کو بر طرف کر کے عینک کی گرد کو صاف کیا۔۔۔ پھر دیکھا تو ماں تھی ۔۔۔اپنے والد کی ماں ۔۔۔اپنی ماں کی ماں ۔۔۔اپنے معاشرے کی ماں ۔۔۔۔اگرچہ اس نے ان کو جنا ، نہ تھا۔۔۔۔ مگر احساسِ مادری اس کے چہرے سے نمایاں اور حسِ مادری نے اس کی روح کو تسخیر کر رکھا تھا۔

دردِ مادری، فقط بچہ جننے کا درد نہیں ۔۔۔۔ماں یعنی دردِ عشق کا متحمل ہونا۔۔۔۔وہ عشق کہ جو اپنے ساتھ خنجرِ فراق بھی رکھتا ہے اور زہرِ مرگ بھی۔۔۔جو لبوں کو سی دیتا ہے اور

سر میں چاندی کی تاریں نمودار ہو جاتی ہیں۔۔۔۔۔ماں بولو ، نا۔۔۔کہ تم نے کتنے ہی سکوت کے تلخ جام پیئے ہیں۔۔۔۔اور کتنی ہی بار درد سہا۔۔۔۔۔ مگر تمہارے آبر و چشم تک خم ہوئے۔۔۔۔اے زینت نسائی۔۔۔۔تمہارا جسم زخموں سے چور ہے۔۔۔۔اور رسم مادری میں تمہارے لب کتنی ہی بار لبِ تیغ تک جا پہنچے۔۔۔۔۔رسم مہربانی میں کتنی ہی بار جلائی جا چکی ہو۔۔۔۔۔۔تم کوئی شکوہ کیوں نہیں کرتی۔۔۔۔ماں۔۔۔۔میرے ساتھ باتیں کرو۔۔۔وہ راز بتاو کہ جو سینہ بہ سینہ تم تک پہنچے ہیں۔۔۔۔۔وہ درد بیان کرو جو نسل در نسل تم نے سہے ہیں۔۔۔۔۔تم بتاو عشق کیا ہے۔۔۔کیونکہ تم زیادہ آشنا ہو بلکہ خود مجسمہ عشق ہو۔۔۔۔۔ان سب رازوں سے پردہ اٹھاو۔۔۔تاکہ میں جان پاوں کہ ماں ہونا کیا ہے۔۔۔؟ کیونکہ میرے معاشرے کے بچے ابھی اس قدر بالغ نہیں ہوئے کہ شخصیت و ضرورت مادری کو پہچانے۔۔۔۔یہ ابھی تقلیدانہ فکر کے حامل ہیں کہ ماں یعنی وہ شمع کہ جو جل کر آب ہو جاتی ہے۔۔۔یا وہ شعلہ کہ جو بھڑکتا ہے اور زمین بوس ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔یا وہ پھول کہ جو بالآخر اپنی خوشبو کھو دیتا ہے۔۔۔۔یہ ابھی تیرے جاوید و لازوال پہلو سے ناآشنا ہیں۔۔۔۔میرے معاشرے کے فرزند ابھی بس تیری ظاہری شکل و صورت سے آشنا ہیں۔۔۔ماں۔۔۔در حقیقت اگر تیرا وجود نہ ہوتا تو۔۔۔چشموں کی نغمہ خانی نہ ہوتی۔۔۔۔صبا میں لطافت نہ ہوتی۔۔۔۔سورج تابان نہ ہوتا۔۔۔۔نبات میں رشد نہ ہوتی۔۔۔۔آب میں روانی نہ ہوتی۔۔۔۔گُلوں میں خوشبو نہ ہوتی۔۔۔۔بلبل غزل سُرا نہ ہوتی۔۔۔۔آدمؑ میں روح نہ پھونکی جاتی۔۔۔۔ کشتیِ نوحؑ ساحل تک نہ آتی

۔۔۔۔آتشِ ابراہیمؑ خاموش نہ ہوتی ۔۔۔۔ موسیٰؑ کو نیل میں رستہ نہ ملتا۔۔۔۔یوسفؑ کو کنویں سے نجات نہ ملتی۔۔۔۔ گلِ مریمؑ میں مہک نہ ہوتی۔۔۔۔ نسیمِ عیسیٰؑ مردوں کو زندہ نہ کرتی اور باغ گل محمدیؐ، انفاس عالم کو معطر نہ کرتا۔۔۔۔۔۔ماں اگر تو نہ ہوتی تو ۔۔۔۔تربت کربلا کو شفانہ ملتی۔۔۔۔ حسنؑ کو سخاوت و وقار۔۔۔۔ حسینؑ کو صبر و قرار ۔۔۔۔سجادؑ کو صحیفہِ راز ۔۔۔۔باقرؑ کو علم ۔۔۔۔ صادقؑ کو صداقت ۔۔۔۔ کاظمؑ کو اجابت۔۔۔۔رضاؑ کو رضایت ۔۔۔۔ تقیؑ کو تقاوت۔۔۔۔ نقیؑ کو نزاکت۔۔۔۔ عسگری کو عسگر، اور مہدیؑ کا قیام نہ ہوتا۔۔۔بلکہ وجود منجی بشریت نہ ہوتا۔۔۔اگر مہدیؑ نہ ہوتا تو عالم میں حرکت نہ ہوتی۔۔۔۔یعقوبؑ کی آنکھیں، انتظار یوسفؑ میں رہتی اور کبھی بینا نہ ہوتی۔۔۔۔ شیرازہ خلقت بکھر جاتا۔۔۔۔ نبضِ زمان پھٹ جاتی۔۔۔۔زمین اپنے اہل کو نگل جاتی اور وعدہ خدا کبھی محقق نہ ہوتا۔۔۔۔۔۔اے ماں یہ سب تیرے وجود کی برکت ہے۔۔۔۔ مگر ہم شرمندہ ہیں کہ زمانے نے تیرے نام کی حرمت کو پامال کیا۔۔۔۔تُو بحر قرآنی ہے کہ جس نے جامعہِ بشری کو موتیوں سے نوازا۔۔۔۔ مگر تعجب ہے فریبِ روزگار پر کہ کائنات نے حقِ مادری کے عوض، تجھ پر تازیانے برسائے۔۔۔۔ تیرے ارمانوں کو روندا۔۔۔۔ مگر کبھی سنا ہے کہ بیٹوں نے ماں کا گھر جلایا ہو۔۔۔۔کیا شفقتِ مادری کا صلہ طمانچوں سے ادا کیا جاتا ہے۔۔۔۔افسوس صد افسوس، غلبہ خواہشات پر کہ جس نے بیٹوں کے ہاتھوں ماں کو اس قدر مجبور کر دیا کہ کہا۔۔۔۔ میرا جنازہ تب اٹھنا "اذا هدات العیون و نامت الابصار " کہ جب آنکھیں آرام میں اور لوگ خواب غفلت میں ہوں

بے شک انہوں نے حرمتِ مادری کو پامال کیا ہے۔۔۔۔ماں کی شفقت کا گلہ گھونٹا ہے ۔۔۔۔ فضا اس قدر آلودہ کی کہ ماں کی محبت دم توڑنے لگی۔۔۔۔سانس لینا مشکل ہو گیا ۔۔۔۔اسقدر ستم سے کام لیا ،قریب تھا کہ دن کی سفیدی رات کی تاریکی میں بدل جائے ۔۔۔۔آج بھی اس ماں کی مظلومانہ صدائیں مدینے کی گلیوں سے ٹکرا رہی ہیں ۔۔۔۔

اور عالم انسانیت کے دامن میں ہاتھ ڈال کر وہ ماں صرف ایک ہی سوال کا جواب چاہتی ہے کہ ۔۔۔۔کیا اس کی الفت و محبت کا بدلہ بس یہی چند پتھر ہیں۔۔۔۔۔۔؟

احساس۔۔ عید کا ایک فراموش شدہ پہلو

تحریر۔ساجد علی گوندل

Sajidaligonda55@gmail.com

احساس یعنی ایک نازک سا رشتہ، ایک ایسی ڈور کہ جو تمام موجودات عالم کو نہایت خوبصورتی سے آپس میں جوڑے ہوئے ہے۔ یہ ایک ایسا رشتہ ہے کہ شائد کوئی اس کی تعریف تو نہ کر پائے مگر اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اگر اس کو دنیا سے اٹھا لیا جائے تو نظام کائنات درہم برہم ہو کر رہ جائے، نہ زمین خزائنِ عالم کو اپنے سینے میں سمائے، نہ آسمان بطور سائباں جلوہ فگن ہو، نہ ستاروں کی وہ مسکراہٹیں رہیں اور نہ ہی سورج کی وہ تپش، نہ ہی چاند کا وہ حسن باقی ہو اور نہ ہی بلبل نغمہ سرا ہو۔ اگرچہ رشتہ احساس ہے تو ریشم کی طرح نرم و نازک مگر باوجود نزاکت کے عالم ہستی کو اپنے احاطے میں لئے ہوئے ہے۔

فلسفے کی رو سے کائنات میں کل تین طرح کے وجود پائے جاتے ہیں اور ان میں سے ایک کو ممکن الوجود سے تعبیر کیا جاتا ہے، جبکہ ممکن الوجود ایک ایسا وسیع مفہوم ہے کہ جو کائنات کے تمام وجودات (سوائے وجود واجب و ممتنع) سب کو شامل ہے، جبکہ کائنات کے تمام موجودات میں سے سب سے اشرف و اعلٰی موجود حضرت انسان ہے کہ جس کی خلقت پر خود خداوند متعال نے ناز کرتے ہوئے کہا ہے کہ "**ولقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم**" اور اسی طرح اگر اس اشرف المخلوخات موجود یعنی انسان کی زندگی سے رشتہ احساس کو نکال دیا جائے تو گویا یہ انسانیت سے زندگی چھیننے کے مترادف ہوگا۔

اسی افضل و اکرم مخلوق (انسان) کی زندگی میں اللہ تعالٰی نے بے شمار نعمات رکھی ہیں، اس قدر کہ ان کا شمار کرنا ممکن نہیں، بزبان قرآن "**ان تعدوا و نعمت اللہ لا تحصوھا**"

خداوند کی ان نعمات میں سے ایک نعمت، نعمت عید ہے۔ لفظ عید، عود مصدر سے ہے کہ جس کے معنی بار بار آنے کے ہیں، یعنی کسی چیز کا بار بار آنا۔ عید اصل میں احساس انسانیت ہی کا دوسرا نام ہے، خداوند متعال نے اس خاص احساس کو عید کا نام اس لئے دیا، تاکہ یہ احساس بار بار انسان کی زندگی میں آئے اور وہ فرائض و ذمہ داریاں کہ جو غفلت انسانی کی نذر ہو گئیں یا پھر جان بوجھ کر انسان نے ان سے منہ موڑ لیا ہے، ان کو یاد دلائے۔ عید چاہے عید فطر ہو یا قربان ہر دو صورت میں انسان کو اس کے فراموش کردہ احساسات کی یاد دلاتی ہے، چاہے وہ احساس و ذمہ داری فردی ہو یا معاشرتی۔

آج کا انسان مادیت میں کچھ اس طرح غرق ہو چکا ہے کہ مال، دولت و شہرت طلبی کی ہوس نے اسے اپنے بھی بھلا رکھے ہیں۔ لہذا عید کا بار بار انسانی زندگی میں لوٹ کر آنا، اسے اپنوں کی یاد دلاتی ہے، اس میں ایک نیا احساس پیدا کرتی ہے۔ اپنے بھلائے ہوئے ہمسائے کا احساس، اپنے محلے کے یتیموں کا احساس، اپنے ارد گرد بہت سارے ضرورت مندوں کا احساس، اس معصوم بچی کا احساس کہ جو معاشرے کی ایجاد کردہ لعنت جہیز کے نہ ہونے کی وجہ سے گھر بیٹی ہے۔ غریب کے ان بچوں کا احساس کہ جو رات کو بھوکے پیٹ سو جاتے ہیں، اپنے اس نادار بھائی کا احساس کہ جس کے گھر عید پہ بھی دال بنتی ہے۔ لہذا عید اپنوں اور غیروں کو ساتھ لے کر چلنے کا نام ہے، عید ملک قوم کی فلاح و بہبود میں اپنا فردی و اجتماعی حصہ ڈالنے کا نام ہے۔

عید فقط سیر و تفریح کا دن نہیں بلکہ عید وہ دن ہے کہ جس دن ہم ذلت سے نکل کر عزت کا راستہ اختیار کریں۔ عید کا دن اپنوں، اپنے وطن، اپنی افواج پاکستان سے قریب ہونے و اپنے دشمن امریکہ، اسرائیل و آلسعود فکر کے حامل طالبان (کہ جو اسلام کے اصلی چہرے و اسلام ناب محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسخ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں) سے بیزاری کا دن ہے۔ لہذا عید کے دن انسان ترقی و تکامل کی طرف سفر شروع کرے نہ کہ اس باعظمت دن خدا کی حدود کو پامال کیا جائے۔ جیسا کہ حضرت علیؑ کا ارشاد گرامی ہے کہ "انسان کے لئے ہر وہ دن عید کا دن ہے کہ جس دن وہ نافرمانی خدا سے دور رہے۔"

لہذا آج انسانی دنیا میں احساس ایک متروک اور فراموش شدہ مفہوم ہے کہ جسے زندہ کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ معاشرے کی وہ ذمہ داریاں، ضروریات اور انسانی احساسات کہ جنہیں آج معاشرے نے اپنے قدموں تلے روند دیا ہے، انھیں دوبارہ زندہ کیا جاسکے اور نتیجتاً معاشرے کی تمام برائیوں کا سد باب ہوسکے۔ المختصر یہ کہ انسانی تمدّن میں

مرتے ہوئے انسانی جذبات واحساسات کو زندہ کر کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بطریقِ احسن انجام دیا جاسکتا ہے اور دکھاوے کے مصافحے و معانقے کے بجائے حقیقی طور پر دم توڑتے رشتوں کو پھر سے جوڑا جا سکتا ہے

دامن ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

تحریر۔ ساجد علی گوندل

Sajidaligonda55@gmail.com

اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ دنیا کے مختلف خطوں پر مختلف ادوار میں فتنوں نے سر اٹھایا اور دب گے، پھر ابھرے مگر ان کا سر کچل دیا گیا۔

چنانچہ بہت سارے فتنے بتدریج اپنے اثرات کے ساتھ زمین کی تہوں میں چلے گے، جبکہ کچھ فتنے تاریخ کے چہرے پر نہ صرف یہ کہ باقی ہیں بلکہ ایسا بد نما دھبہ ہیں کہ ان کی سیاہی کو کسی طور بھی دھونا ممکن نہیں۔ان فتنوں میں سے ایک فتنہ، فتنہ ال سعود ہے کہ جس کی پیشین گوئی آج سے ٹھیک 1436 سال پہلے رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی نے کی تھی۔آج کی اصطلاح میں اس فتنے کو وہابیت سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ جس کی ابتدائی وادی جبیلہ سے شمال مغرب کی طرف چند میل کے فاصلے پر مقام "عینیہ" میں ہوئی۔

یہ اس سرزمین کے سینے پر ابھرنے والا دوسرا بڑا فتنہ ہے کہ جس کے منحوس اثرات کو عالم اسلام آج تک بھگت رھا ہے۔یاد رہے کہ سرزمین نجد میں اٹھنے والا پہلہ فتنہ، فتنہ مسلیمہ کذاب ہے اور اسی سرزمین کے متعلق رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

"ھناک الزلازل و الفتن وبھا یطلع قرن الشیطان"

یہ وہ سرزمین ہے کہ جہاں پر زلزلے آئیں گے اور فتنے سر اٹھائیں گے اور اسی سرزمین سے شیطان اپنے سینگ نکالے گا؛ اگر فتنہ ال سعود پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو اس کی منظر کشی کچھ یوں ہو پائے گی۔

اس فتنے کی ابتداء محمد بن عبدالوہاب کے ذریعے 1740ء میں باقاعدہ طور پر تب ہوئی، جب اسی سال اس کے والد شیخ عبدالوہاب نجدی نے وفات پائی، کیونکہ موصوف کے والد؛ شیخ عبدالوہاب، بھائی؛ سلیمان بن عبدالوہاب، دادا؛ سلیمان بن علی شرف اور چچا؛ ابراھیم بن سلیمان سب ممتاز عالم دین وفقہ امام احمد بن حنبل کے پیروکار جبکہ بانی وہابیت؛ محمد بن عبدالوہاب؛ کی تحریک وہابیت سے سخت برائت رکھتے تھے اور اسکے بھائی سلیمان نے اس کے گمراہ کن افکار کے رد میں ایک رسالہ بھی (الصواعق الالہیہ علی رد الوھابیہ) کے نام سے تحریر کیا۔ لہذا موصوف کو اپنے والد کی موجودگی میں اس تحریک کو پھیلانے میں کافی دشواری پیش آئی۔ مگر 1740 عیسوی میں عبدالوہاب کی وفات کے بعد اس تحریک نے اپنے پاؤں پھیلانا شروع کر دیئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس فتنے کو فتنہ وھابیت کے بجائے فتنہ آل سعود سے کیوں تعبیر کیا گیا؟؟؟

یہ اس لئے کہ فتنہ محمد بن عبدالوہاب بعینہ تاریخ کے دوسرے فتنوں کی طرح سرزمین نجد پہ ابھرتا اور بلآخر نجد کی سرحدوں میں ہی اپنی موت آپ مر جاتا اور اس کے مضر اثرات سے عالم اسلام محفوظ رہتا، جبکہ ایسا نہ ہوا اور اس کے برعکس جب فتنہ وہابیت کا دم گھٹ رہا تھا اور وہ اپنی موت کو اپنے سامنے محسوس کر رہا تھا، تب جا کر اس گرتی ہوئی عمارت کو آلسعود نے سہارا دیا اور اس بار گراں کو اپنی پشت پر اٹھایا۔ آلسعود نے اس فتنے کو تمام عالم السلام تک پھیلایا اور قتل و غارت کا وہ بازار گرم کیا کہ جس کی مثال شاہد تاریخ میں ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے۔

آل سعود کی گود میں پلنے والے اس فتنے نے دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔

- عالم اسلام
- عالم کفر

نیز ہر وہ شخص جو ان کے گمراہ کن عقائد پر پورا اترے، وہ مسلمان جبکہ باقی سارے عالم اسلام پر کفر کا فتویٰ تھوپ دیا۔ 1745ء محمد بن سعود سے لے کر تا حال 2015ء سلیمان بن عبدالعزیز تک کا دور آل سعود کے سیاہ کارناموں سے بھرا پڑا ہے۔ اس دورانیئے میں آل سعود کے جو دور اقتدار گزرے ہیں، اگر ان کو تاریخ کے سیاہ ترین ادوار سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ وہ آل سعود کہ جو ایک طرف تو عالم اسلام کی سربلندی و دین دار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، جبکہ اپنے بل کے دوسرے سوراخ سے نکل کر اسی دین کے مقدسات کو ڈسنا شروع کر دیتے ہیں۔

ان کی مثال چوہے کی سی ہے کہ جیسے وہ اپنی بل کے دو سوراخ رکھتا ہے، اسی طرح ان کے بھی دو رخ ہیں، چہرے کے ایک طرف تو اسلام کا مونو گرام ہے، جبکہ دوسری طرف یہود وصہونیت کی غلامی کی مہر۔ ایک طرف تو اسلام کا دم بھرتے ہیں جبکہ دوسری طرف مقدسات اسلام (کہ جن کے بارے میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے.

ومن یعظم شعائر اللہ فإنها من تقویٰ القلوب

[یعنی جو شعائراللہ (مقدسات دین) کااحترام کرتاہے تو یہ کام اس کے دل کے تقویٰ کی علامت ہے] کی توہین سے باز نہیں آتے۔

کربلاپر آل سعود کاحملہ

حرم مکہ کی بے حرمتی و غلاف کعبہ کاچاق کرنا

مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے گنبد میں لگی گولیاں،اور اسی طرح

شہر طائف و نجف اشرف پر ان مفسد لوگوں کاحملہ اور نہتے مسلمانوں کا قتل عام کرنا۔

ان کے یہ تمام اعمال حرمت مقدسات دین کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ایک طرف تو یہ سارے عالم اسلام کو کافر گردانتے ہیں جبکہ دوسری طرف خود اپنے دعوے (یعنی کافروں کے ساتھ لین دین کرنیوالا، ان کے کہنے پر عمل کرنیوالا، کافروں کے ساتھ کسی امر میں مشورہ کرنیوالا، ان کے پاس بیٹھنے والا، ان کی مدد کرنے والا، یہاں تک کہ ان کے ہاں جانے والا بھی کافر ہے) کے مطابق آل سعود کہاں سے مسلمان بن گئے؟؟ کیونکہ یا تو حکومت برطانیہ ان کے عقائد پر ہے اور وہ مسلمان ہے؟؟ یا پھر یہ یہود کے عقائد پر ہیں اور خود اپنے دعویٰ (کفر) کے مستحق ہیں؟؟ جبکہ یہ بات تو مسلم ہے کہ ابن سعود کو برطانیہ کی طرف سے 60،000 (ساٹھ ہزار) پونڈ سالانہ آتے اور پھر یہ رقم ایک لاکھ 100000 پونڈ سالانہ تک پہنچ گئی۔

اے قاسمی یہ دھوم تھی نجدی کے زہد کی

میں کیا کہوں کہ رات کو مجھے کس کے گھر ملے

یہ کیسا اسلام ہے کہ جیسے اپنی ذات پر تو نافذ کر نہ سکے، مگر چلے عالم اسلام کی ہدایت کو۔

یہ غاصب آل سعود کہ جنہوں نے ایک بڑی سلطنت اسلامیہ (خلافت عثمانیہ) کو توڑنے میں برطانیہ کی مدد کی اور ایک عظیم اسلامی ریاست کو صفحہ ھستی سے مٹا دیا اور آج یہ خادمین حرمین شریفین کے درجہ پر فائز ہیں۔

آج عالم اسلام کے جس خطے میں بھی فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی ہے، وہ آل سعود کی مرہون منت ہے۔ افغانستان ہو، عراق، بحراین، شام ہو یا پھر یمن، ہر خطے میں آل سعود نے اپنے آقاوں کے نمک کا حق ادا کیا ہے اور یہ قرآن کی اس آیت کا مصداق قرار پائے ہیں (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے ہیں "انما نحن مصلحون" ہم تو اصلاح کر رہے ہیں، جبکہ حقیقت میں یہ مفسد ہیں مگر شعور نہیں رکھتے۔

آج میرا عالم اسلام سے فقط ایک ہی سوال ہے کہ اگر آج آل سعود یمن پر حملہ کرے تو اصلاح دین ہے اور دوسری طرف اگر یمنی اپنی و اپنے وطن کی حفاظت کریں (جو کہ ان کا حق ہے) تو باغی کہلاتے ہیں۔ یہ تو بالکل اسی طرح ہے کہ

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام

وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

جبکہ اگر مسئلہ حفاظت حرمین شریفین کا ہی ہے

تو کیا بیت المقدس حرم الٰہی نہیں؟؟

ہمارا قبلہ اول نہیں؟؟

کیا وہ شعائر اللہ میں سے نہیں؟؟

کیا اسکی حفاظت مسلمانوں پر واجب نہیں؟؟

کیا وجہ ہے کہ آج تک نہ تو اس پر آل سعود نے اور نہ ہی باقی عالم اسلام نے کوئی عملی قدم اٹھایا؟؟

نہیں نہیں یہاں بات حفاظت حرمین کی نہیں ہے یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔

امتِ مسلمہ بول کہ لب ہیں تیرے آزاد

تحریر۔ساجد علی گوندل

Sajidaligonda55@gmail.com

گھروں، گلی کوچوں اور بلند و بالا عمارتوں پر لگے بڑے بڑے مختلف رنگوں کے چراغ، وسیع و عریض و طولانی راستوں پر ہیوی قسم کے نصب شدہ بلب، اسی طرح بازاروں میں روشنیوں کا دلفریب سماں، ہر طرف اجالا ہی اجالا، ان سب چیزوں نے ہماری دنیا سے آج گویا اندھیرے کا وجود ہی مٹا دیا ہے، آج کے انسان کی رات، دن سے زیادہ روشن و رنگین نظر آتی ہے، آج جس دور میں ہم زندگی بسر رہے ہیں، اسے روشنیوں کا دور کہا گیا ہے، یعنی انسان نے ترقی و تکامل کی دوڑ میں اندھیروں کو بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے، فقط ظاہری روشنی و اجالے کو ہی نہیں بلکہ اس دور کے مہذب انسان کا یہ دعویٰ ہے کہ آج اس نے انسانیت کو لاحق ہونے والے ہر خطرے اور ہر اندھیرے و جہالت کو اپنے سے کوسوں دور کر لیا ہے اور ان اندھیروں سے بہت آگے نکل آیا ہے۔ آج کثرت سے سکول، کالج و یونیورسٹیز کا قیام درحقیقت ظلمت جہالت سے نور علم کی طرف سفر ہے، آج ظلم کی جگہ عدالت و انصاف، غلامی کی بجائے آزادی اور آمریت پر جمہوریت کی برتری کا نعرہ عام ہے، بے رخی و بے اعتنائی کے بجائے لاکھوں فلاحی و سماجی تنظیمیں جذبہ انسانیت کے تحت کام کر رہی ہیں۔

یہ سب انسان کے اسی دعویٰ رشد کا ثبوت ہیں۔ ہمیں فخر ہے کہ ہم یعنی ملت اسلامیہ اس نظریہ رشد انسانیت کے بانی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب انسانیت جہالت و گمراہی کی دلدل میں اسقدر ڈوب چکی تھی کہ گویا اب اس کا باہر نکلنا محال تھا، عین اسی وقت دین اسلام نے آکر ڈوبتی ہوئی انسانیت کو سہارا دیا اور اپنی آغوش محبت میں پروان چڑھایا۔ آج الحمد للہ ہم

دین اسلام کے علمبردار ہیں، مگر حیرت کی بات تو یہ ہے کہ وہ اسلام کہ جس نے صدیوں سے گمراہی میں ڈوبی ہوئی انسانیت کے ہاتھ میں ہدایت کا چمکتا ہوا چراغ تھمایا اور تکامل کی راہوں پر گامزن کیا، آج اس کا نقشہ ہی کچھ اور ہے، دنیا کے کسی خطے میں بھی اگر کوئی قوم بد نظمی، بے اعتدالی، ظلم و بربریت کی شکار ہے تو وہ ملت اسلامیہ ہی ہے، گویا آج ملت اسلامیہ میں روشنیوں کے باوجود اندھیروں کا راج ہے۔

ایسا کیوں؟؟اور کس لیے؟؟

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم نے اسلام کے آفاقی اصولوں سے منہ موڑ لیا ہے، جبکہ دوسرا بڑا سبب یہ ہے کہ کچھ نام نہاد گروہ و جماعتیں جن کا حقیقت میں اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، ملت اسلامیہ کی قیادت کر رہی ہیں اور اسلام کو اپنے مفاد و ذاتی اقتدار کی بھینٹ چڑھا رہی ہیں، نہ تو یہ اسلام کی خیر خواہ ہیں اور نہ ہی انہیں اسلامی اقدار کا کچھ پاس ہے۔ یہاں تک کہ اب یہ نام نہاد گروہ سر عام اسلام کے اصولوں کی مخالفت کر رہے ہیں، جبکہ ان کا دوسرا رخ یہ ہے کہ وہ ظاہر میں اتنے مقدس ہیں کہ امت مسلمہ کے کسی فرد میں یہ ہمت نہیں کہ ان کی طرف انگلی بھی اٹھا سکے۔ مثلاً قرآن کہتا ہے کہ اے نبی ﷺ یہ لوگ تم سے حرام مہینوں میں جنگ کے بارے میں پوچھتے ہیں، ان سے کہہ دو کہ حرام مہینوں میں جنگ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔[1] ایک طرف تو قرآن کا یہ صریح حکم ہے کہ حرام مہینوں میں جنگ کرنا گناہ کبیرہ ہے، جبکہ علماء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ حرام مہینے

ماہ رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ و محرم ہیں اور یہ وہ مہینے ہیں کہ جن میں کفّار بھی جنگ کو حرام سمجھتے تھے۔[2]

قرآن نے اس اصول کو متعدد دفعہ ذکر کیا ہے، ایک جگہ یوں گویا ہے کہ اے ایمان والوں اللہ کے شعائر کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ ہی ادب والے مہینوں کی۔[3] یہاں پر چند جملے خود ایک مفّسر[4] کے نقل کرتا ہوں: شعائر شعیرہ کی جمع ہے کہ جس کے معنی حرمات اللہ ہیں، یعنی وہ چیزیں کہ جن کی تعظیم اللہ نے مقرّر کی ہے، بعض کے نزدیک یہ شعائر عام ہیں[5] جبکہ بعض نے یہاں حج و عمرہ کے مناسک مراد لئے ہیں، یعنی ان کی بے حرمتی و بے توقیری نہ کرو۔ اسی طرح حج و عمرہ کی ادائیگی میں کسی کے درمیان رکاوٹ مت بنو، کیونکہ یہ بھی بے حرمتی ہے۔[6] یہاں پر سوال یہ اٹھتا ہے کہ محمد بن سلمان کا شہانہ طریقے سے رمی جمرات کے لئے آنا، جو کہ سیرت رسول گرامی ﷺ کے واضح خلاف ہے۔ کیا یہ مناسک حج میں رکاوٹ نہیں ہے۔؟ کیا یہ حرکت ہزاروں بے گناہ حاجیوں کی ہلاکت کا سبب نہیں بنی؟ کیا یہ شعائر اللہ کی توہین نہیں ہے۔؟

ابوالاعلیٰ مودودی اس مطلب کو یوں بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو کسی مسلک، عقیدے یا طرز عمل یا کسی نظام کی نمائندگی کرتی ہو، وہ شعائر کہلاتی ہے، جیسے سرکاری جھنڈے فوجی، یونیفارمز وغیرہ۔ اسی طرح گرجاگھر و صلیب مسیحت کے شعائر ہیں، کیس، کڑے و کرپان سکھ مذہب کے شعائر ہیں، ہتھوڑا و درانتی اشراکیت کے شعائر ہیں۔ یہ تمام شعائر

اپنے اپنے پیروکاروں سے احترام کا مطالبہ کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص کسی مذہب کے شعائر کی توہین کرتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ اصل میں اس نظام کا دشمن ہے اور اگر توہین کرنے والا خود اسی نظام سے تعلق رکھتا ہو تو یہ کام اس کے ارتداد وبغاوت کے ہم معنی ہے۔[7]

اب ہم یہ پوچھنا چاہیں گے کہ آیا وہ مساجد کہ جنہیں اللہ نے تعظیم عطاء کی ہے اور اولیاء کرام کے مزارات وعباد تگاہیں کہ جو آل سعود نے شام ویمن میں گرائی ہیں، یہ شعائر اللہ ہیں یا نہیں۔؟ کیاان کااحترام واجب نہیں ہے؟اور خود خدا کے حرمت والے مہینے کہ جن کی حرمت کو آل سعود نے پامال کیا ہے اور مسلسل کر رہے ہیں، کیاان کا یہ کام ان کے ارتداد وبغاوت پر دلالت نہیں کرتا۔؟ یاد رہے کہ قرآن اسی قانون کو ایک اور مقام پر یوں بیان کرتا ہے کہ اللہ کے نزدیک کل بارہ مہینے ہیں اور چار ان میں سے حرمت والے ہیں اور یہی خدا کا صحیح نظام ہے "ذلک الدّین القیّم "یعنی یہی دین ہے اور تم لوگ ان مہینوں مین اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔[8] حرف مفّسر تم لوگ اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، حرمت والے مہینوں میں قتال کرکے، ان کی حرمت پامال کرکے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اللہ کی نافرمانی کاارتکاب کرکے۔[9]

مولانا مودودی صاحب یوں رقم طراز ہیں کہ ان ایّام میں بدامنی پھیلا کر تم اپنے اوپر ظلم نہ کرواور وہ چار مہینے یہ۔۔۔۔ہیں۔[10] آج آل سعود نے خدا کے اس قانون کو کھلم کھلا

توڑا ہے اور اس کا مذاق اڑایا ہے، آل سعود نے خدا کے حرام مہینوں میں مسلمانوں پر مظالم کی انتہا کر دی ہے، خدا کی حرمت والے مہینوں میں یمن پر آلِ سعود کے حملے جاری ہیں، کبھی ان کے ظلم کا شکار ایلان جیسا معصوم شامی بچہ ہوتا ہے اور کبھی یمن کے تین بھائی کہ جو شادی کے وقت ان کے مظالم کا شکار ہوتے ہیں۔

قابلِ ذکر بات تو یہ ہے کہ ان سارے سعودی مظالم پر امت مسلمہ نے کوئی احتجاج کیا اور نہ ہی مسلم میڈیا نے اس پر آواز اٹھائی! جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ سانحہ منیٰ بھی انہی کے شاہانہ پروٹوکول کی وجہ سے پیش آیا ہے اور یہ حج کے انتظامات کو او آئی سی کے حوالے کرنے کے بجائے سینہ تان کر کہہ رہے ہیں کہ انتظامات حج ہماری خود مختاری اور استحقاق کا مسئلہ ہے، مگر یہ بھول رہے ہیں کہ خانہ خدا اور مکہ پوری امت مسلمہ کا حرم ہے، نہ کہ آلِ سعود کی ذاتی جاگیر اور پھر خدا کی حدوں کو پامال کرنے والے اور الٰہی اصولوں کو سرِ عام جھٹلانے والے ہر گز اس کے اہل نہیں ہو سکتے۔

منابع:

[1] سورہ بقرہ آیت 217۔ یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فیه قل قتال فیه کبیر۔ تفہیم القرآن ابوالاعلیٰ مودودی

[2] تفہیم القرآن، ابوالاعلیٰ مودودی صفحہ 192، القرآن القریم الشیخ صالح عبدالعزیز محمد آل سعود ترجمہ اردو

[3] سورہ مائدہ آیت 2۔ یایها الذین امنو لا تحلوا شعائر الله ولا الشهر الحرام۔۔۔۔۔۔ الا القرآن الکریم الشیخ صالح عبدالزیز محمد آل سعود ترجمہ اردو صفحہ 281، 282

[4]الشیخ الصالح عبدالعزیز محمد آل سعود

[5]یعنی خدا کی تمام نشانیاں

[6]القرآن الکریم الشیخ الصالح عبدالعزیز محمد آلسعود صفحہ 281

[7]تفہیم قرآن ابوالا علی مودودی جلد 1 صفحہ 248

[8]سورہ توبہ آیت ،36انّ عدّت الشھور عنداللہ اثناعشر شھرا فی کتب اللہ ---------منھا اربعت حرم ذلک الدین القیم ۔ ترجمہ الشیخ الصالح عبدالعزیز آل سعود صفہ 519 وابوالا علی مودودی صفہ 192

[9]الشیخ الصالح ----------- محمد آل سعود صفہ 519

[10]مہینوں کا ذکر اوپر گزر چکا ہے تفہیم القران ابوالا علی صفہ 192

اندھیرا اور ستارہ

تحریر۔ ساجد علی گوندل

Sajidaligondal55@gmail.com

وقت وقت کی بات ہے۔۔۔ کبھی انسان زیادہ تھے اور مشینیں کم۔۔۔ جبکہ آج مشینیں زیادہ ہیں اور انسان کم۔۔۔اور مصروفیت کا تو نام ہی نہ لو۔۔۔اتنی زیادہ کہ مجھے اپنی بھی خبر نہیں۔۔۔ مہینہ ہو گیا ہے۔۔ایک ہی چھت کے نیچے رہتے ہوئے بھی، اپنی ماں سے کبھی 5منٹ سے زیادہ بات نہیں کر پایا۔۔۔۔

میں بات کر ہی رہا تھا کہ مظہر میری بات کاٹ کر بولا:

کیا کروں میں بھی ایسا ہی ہوں۔۔۔۔ کل سے کچھ سمجھ نہیں آرہا کہ کیا کروں۔۔۔ جب لکھتا ہوں تو قلم نہیں چلتا۔۔۔ قلم چھوڑوں تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے سانس رک گئی ہو۔۔۔۔ اور جب کبھی سونے کی کوشش کرتا ہوں تو ڈراؤنے سپنے آتے ہیں۔۔۔۔

ساتھ کھڑے ایک دوست نے مسکراتے ہوئے کہا کہ مجھے لگتا ہے کہ تم پاگل ہو گئے ہو۔۔۔۔ تمھیں ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے۔۔۔اچھا چھوڑو۔۔۔ چلو باہر چلتے ہیں۔۔۔

مظہر: ایک منٹ یار۔۔۔ کیا تمھیں یاد ہے۔۔۔ کل جب اس کار والے سے کہا تھا کہ چپس کے خالی پیکٹ کو Dustbin میں ڈالو۔۔۔ تو اس نے کیا جواب دیا تھا۔۔۔؟؟؟

دوست: یہی کہ اس کے ایک پیکٹ کی وجہ سے تھوڑا ہی گند پھیل رہا ہے۔۔۔ یا پھر ایک پیکٹ نہ پھینکنے سے کونسا پورا شہر صاف ہو جائے گا۔

مظہر: یار مجھے نہیں لگتا کہ یہ سب ٹھیک ہو گا۔۔۔ ہم غلط راستوں پر چل رہے ہیں۔۔۔

دوست :اب کیا ہو گیا تمہیں۔۔۔؟؟ چلو باہر چلتے ہیں نا۔۔۔پلیز۔۔۔

مظہر : (قلم کو وہیں میز پر رکھتے ہوئے اٹھتا ہے)۔۔۔۔۔ چلو۔۔۔اور کچھ دیر خاموشی کے بعد۔۔۔۔واہ کیا بات ہے ہماری۔۔۔۔۔۔جب کسی سے کہو کہ لائن میں لگ کر اپنی باری کا انتظار کرو۔۔۔تو وہ کہتا ہے کہ میرے لائن میں لگنے سے کیا ہونے والا ہے۔۔۔، سڑک پہ کھڑے کسی ملازم کو بولو کہ رشوت کیوں لیتے ہو۔۔۔تو بولتا ہے کہ کیا میرے 50۔۔۔100 نہ لینے سے کیا سسٹم تبدیل ہو جائے گا۔۔۔۔؟اگر کسی دودھ والے سے بات کرو کہ پانی کیوں ڈالتے ہو۔۔۔۔۔تو یہ سننے کو ملتا ہے کہ۔۔۔۔ صاحب کیا کریں،سب کرتے ہیں اور اس کے بغیر گزارہ بھی نہیں ہوتا۔۔۔حالت یہ ہے کہ لوگ بازاروں میں کسی کو کھمبے سے باندھ کر مار دیں یا یونیورسٹی میں کسی کو زدوکوب کر کے قیمہ بنا دیں،ہمارے ہاں کا عام آدمی،فوج اور پولیس سب جو ہو رہا ہے،اسے ہونے دو کے مصداق بنے کھڑے رہتے ہیں۔ہر کسی کا اپنا دین،آئین، قانون اور معاملہ ہے۔۔۔بس بندے کو کمزور نہیں ہونا چاہیے،اگر کمزور ہوا تو کوئی مولوی،عوام،پولیس،فوج اور قانون اس کی مدد کو نہیں پہنچے گا،لیکن اگر وہ طاقتور ہوا تو سب اس کی پشت پناہی کریں گے۔

مظہر کی بات ختم ہوئی تو دوست نے کہا کہ اصل کرپشن تو اوپر سے ہے۔۔۔اور اگر یہ سب ٹھیک کرنا ہے تو اوپر کے نظام و سسٹم کو بدلو۔۔۔۔

مظہر : یار اگر مکان کی چھت پہ چڑھنا ہو تو کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔؟؟

دوست: اب یہ کیسا سوال ہوا۔۔؟؟ ظاہر بات ہے سیڑھی کی اور کس کی۔۔۔۔

مظہر: کتنی عجیب بات ہے نا۔۔۔ کہ انسان مکان کی چھت پر جانے کے لئے اپنا پہلا قدم سیڑھی کے سب سے اوپر والے پلے پہ رکھے۔۔۔

دوست: یہ کیسی بات ہوئی۔۔۔ یہ تو ممکن نہیں۔۔۔ اگر کسی نے اوپر جانا ہے تو پہلے پلے سے آخری کی طرف جائے گا۔۔۔۔ نہ کہ آخری سے پہلے کی طرف۔۔۔۔

مظہر: یہی تو ہم سمجھ نہیں پارہے۔۔۔۔ ہم اوپر سے نیچے کی طرف آنا چاہتے ہیں۔۔۔۔

مظہر نے کچھ توقف کیا اور پھر بولا: آج ہم نے علم و معلومات اور ڈگریوں میں جس قدر ترقی کی ہے۔۔۔۔ اسی قدر سوچ وبچار اور شعور کی دنیا سے کٹ گئے ہیں۔۔۔۔۔ ہم جن باتوں کو محسوس نہیں کرتے اور ان پر خاموش رہتے ہیں، وہی بڑے بڑے سانحات کا پیش خیمہ بنتی ہیں۔۔۔

ہماری غلط خاموشی کی وجہ سے آج نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ۔۔۔ پاکستان جیسے اسلامی ملک میں۔۔۔۔ کھلے عام انسان کو بے رحمی سے سڑکوں پہ مارا جانے لگا ہے۔۔۔ اور یہ کام کسی جاہل یا ایک دو پڑھے لکھے انسانوں نے نہیں۔۔۔۔ بلکہ پورے شہر نے انجام دیا۔۔۔ جب سیالکوٹ میں یہ انسان سوز واقعہ ہوا۔۔۔۔ تو۔۔۔ یا۔۔۔ تو ہم خاموش تھے یا پھر مارنے والوں میں۔۔۔۔ جس ملک کی بنیاد اس دین پر رکھی گئی کہ جس نے حتیٰ کافر کی لاش

کی بھی بے حرمتی سے منع کیا۔۔۔اسی ملک میں،اسی دین کے ماننے والے آج مسلمانوں کی لاشوں کو پامال کر رہے ہیں۔۔۔

ہمارے ہاں انسانیت کی تذلیل ہوتی ہے، لیکن ہمیں وہ تذلیل محسوس نہیں ہوتی، ہمارے ہاں یونیورسٹی کا اسٹاف اپنے طالب علم کو قتل کروا دیتا ہے، لیکن ہمیں اس کا درد محسوس نہیں ہوتا،وہ اس لئے کہ جب کوئی دودھ میں پانی ملاتا تھا تو ہمیں اس کی بھی کراہت محسوس نہیں ہوتی تھی،جب پولیس اہلکار ہم سے 50 روپے لے رہا تھا تو ہم نے چپ چاپ دے دیئے تھے اور وجہ تک نہ پوچھی تھی،آج ایف آئی اے اہلکار سرعام ایئرپورٹ پر خواتین کی درگت بناتے ہیں، لیکن ہمارا قانون حرکت میں نہیں آتا، چونکہ ہم نے قانون کو ہمیشہ طاقتور کے گھر کی لونڈی بنتے ہوئے دیکھا ہے اور خاموشی اختیار کی ہے۔۔۔

آج ہمارے پاس معلومات ہیں مگر شعور نہیں ہے۔۔۔ قلم ہے مگر درد نہیں ہے، میڈیا ہے مگر سوچ نہیں ہے، مولوی ہیں مگر امن نہیں ہے، ڈگریاں ہیں مگر شرافت اور اخلاق نہیں ہے۔۔۔

آج ہمیں علم کے ساتھ ساتھ شعور کی ضرورت ہے، ہم میں سے ہر شخص کو یہ سمجھنا چاہیے کہ۔۔۔ ایک خالی پیکٹ گند والے ڈبے میں ڈالنے سے اگرچہ پورا شہر صاف نہیں ہو گا۔۔۔

مگر اس کی اپنی ذمہ داری ادا ہو جائے گی۔۔۔۔ کیونکہ۔۔۔ ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ۔۔۔۔

حالات کی تاریکی میں ہر شخص کو ستارہ بن کر چمکنا چاہیے۔

انہیں داعش کہنا داعش کی توہین ہے

تحریر۔ساجد علی گوندل

Sajidaligondal55@gmail.com

بڑے بڑے ٹائروں والی عالی شان گاڑیوں میں بیٹھے ۔۔۔۔۔ زندگی کے مزوں میں ڈوبے ہوئے لوگ۔۔۔ جب کسی کچی آبادی سے گزرتے ہیں۔۔ تو جو چھینٹے اُڑ کر سڑک کے کنارے بیٹھے ہوئے کسی یتیم پر پڑتے ہیں۔۔۔ تو اس سے ان کو کچھ فرق نہیں پڑتا۔۔۔ نہ تو ان کے کپڑے گندے ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کے ضمیر پہ داغ لگتا ہے۔۔۔ وہ جیسے تھے ویسے ہی ہیں۔۔۔ ان کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اپنی خوبصورت گاڑی سے باہر بیٹھے ہوئے۔۔۔ میلے کپڑے پہنے۔۔۔ کسی یتیم و مجبور کے چہرے پر پڑنے والے کیچڑ کو صاف کریں۔۔۔ نہ تو وہ مجبور ہیں اور نہ ہی انہیں اپنی شاہانہ زندگی اجازت دیتی ہے کہ وہ آ کر مسکینوں، یتیموں و مظلوموں کی خبر گیری کریں۔۔۔۔ کیونکہ وہ تو پیدائشی ہی آزاد پیدا ہوئے ہیں۔۔۔ جب چاہیں کھائیں۔۔۔ جہاں مرضی جائیں۔۔۔ جو من میں آئے اسے انجام دیں۔۔۔۔ زندگی ان کی اپنی ہے اور اس میں کسی بھی دوسرے کو مداخلت کی ہر گز اجازت نہیں ہے۔۔۔

اگر کوئی گانا سنتا ہے تو کسی دوسرے کو کیا اذیت۔۔۔۔ اگر کوئی خاتون نیم عریاں لباس پہنتی ہے تو اس سے کسی دوسرے کا کیا تعلق ۔۔۔۔ اور اگر کوئی نشہ کرتا ہے تو وہ اپنی زندگی سے کھیل رہا ہے، کسی دوسرے کو کیا پریشانی۔۔۔۔۔ تو پھر شور کس بات کا۔۔۔ آج یہی حال ہے ساری امت مسلمہ کا۔۔۔ کوئی کسی دوسرے کا پرسان حال نہیں۔۔۔ اگر کسی کے پاس گاڑی ہے تو اسے سائیکل والے سے کیا سروکار۔۔۔۔ آج کیونکہ عراق کے لوگ مر رہے ہیں تو ہم پاکستان میں بیٹھ کر کیوں اپنی شاہانہ زندگی برباد

کریں۔۔۔ یمن کے لوگوں نے ہمیں کیا دینا ہے۔۔۔ مرتے ہیں تو مریں۔۔۔۔ ہمارا کیا واسطہ ۔۔۔۔ کیونکہ وہ یمنی ہیں اور ہم پاکستانی۔۔۔ اگر سعودی عرب میں شیخ نمر کی گردن اڑائی جاتی ہے تو کیا ہوا۔۔۔۔ ہم اسے دہشت گرد کہہ کر اپنے ضمیر کی آواز کو دبا دیں گے ۔۔۔۔۔ ویسے بھی کشمیر میں کب سے قتل عام ہو رہا ہے۔۔۔ یہ کون سا ختم ہو رہے ہیں۔۔۔۔ فکر کی کوئی بات نہیں ۔۔۔۔ ہماری گاڑی کا شیشہ تو نہیں ٹوٹا۔۔۔ نا۔۔۔

اور اگر شام میں چند بچوں کے سروں کو کاٹا گیا ہے یا ان کے خون سے کھیلا گیا ہے تو کیا ہوا۔۔۔ وہ بھی تو بڑے ہو کر دہشتگرد ہی بنتے۔۔۔ اچھا ہوا چھوٹی عمر میں ہی مر گئے۔۔۔ ہمیں ان سے کیا لینا دینا۔۔۔۔ بحرین میں تو ویسے ہی کافر مر رہے ہیں۔۔۔ ان کو مرنا ہی چاہیے۔۔۔ کیونکہ زندہ رہے تو ہماری شاہی زندگی کے لئے خطرہ ثابت ہو سکتے ہیں ۔۔۔ہاں۔۔۔۔ تھوڑا بہت افسوس ہوتا ہے ہمیں کہ ہمارا قبلہ اول ہمارے پاس نہیں ہے۔۔۔ مگر کیا ہوا۔۔۔ ہمارے پاس قبلہ تو ہے ہی۔۔۔۔ فلسطین کے نوجوان بھی پاگل ہیں۔۔۔ کیوں اپنی جانیں فضول میں گنوا رہے ہیں۔۔۔۔۔ اور آج اگر دنیا کے مختلف خطّوں میں مسلم خواتین کی عصمت دری ہو رہی ہے تو کیا ہوا۔۔۔۔ کیچڑ تو صرف ہماری گاڑی کے ٹائیروں تک ہی ہے، ہم تک تو نہیں پہنچا۔۔۔۔ کچھ نہیں ہوا۔۔۔ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔۔۔۔۔

پاکستان میں ویسے بھی تو لوگ مرتے ہیں۔۔۔ موت ایک وقت معین ہے، ہر کوئی اپنے مقررہ وقت پر ہی مرتا ہے، اگر ایک آدھ دھماکہ کسی دربار پر بھی ہو گیا ہے تو فکر کی کوئی بات نہیں ۔۔۔۔۔ ہم محفوظ ہیں۔۔۔ لوگوں کو اولیاء کے مزارات پہ جانا ہی نہیں چاہیے۔۔۔۔ اور ویسے بھی اب تو صاحبان اقتدار نے کہا ہے کہ وہ۔۔۔ خون کے ایک ایک قطرے کا حساب لیں گے۔۔۔۔ ہاں۔۔ ہاں۔۔۔ سب سانحات۔۔۔ لاہور۔۔۔ پشاور ۔۔ جامپور ۔۔۔ چکوال۔۔۔ کوئٹہ۔۔۔ گلگت و بلتستان۔۔۔ کوہاٹ۔۔۔ پاراچنار۔۔۔ ڈیرہ اسماعیل خان۔۔۔ داتا صاحب۔۔۔ پولیس لائن۔۔۔ تفتان بارڈر۔۔۔ کراچی کی قتل وغارت۔۔۔ واگہ بارڈر۔۔۔ عبداللہ شاہ غازی۔۔۔ بری امام۔۔۔ اب سب سانحات کا بدلہ لیا جائے گا۔۔۔۔۔ لیکن بدلہ کس سے لیا جائے گا، اس کا کچھ پتہ نہیں، چونکہ ایف آئی آر تو نامعلوم افراد کے خلاف ہی کٹتی ہے۔۔۔

مریم اورنگزیب صاحبہ کہتی ہیں کہ ۔۔۔ ان کا کوئی مذہب و نظریہ نہیں ہوتا۔۔۔ اچھا جی محترمہ اورنگزیب صاحبہ کو یہ بھی پتہ ہے کہ اگر ان کا کوئی مذہب نہیں۔۔۔ لیکن کبھی ان سے بھی تو پوچھیں کہ مجاہد بھیا آپ کا کیا مذہب ہے؟ کبھی ان کی ویب سائٹس تو دیکھیں، ان کی تقریریں تو سنیں۔۔۔ اچھا اگر لا مذہب ہی ہیں تو پھر بہت سارے مذہبی سربراہان ان لا مذہبوں کے سرپرست و حامی کیوں ہیں۔۔۔؟ خیر ہمیں ان لا مذہبوں سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں، چونکہ ہمارے وزیر داخلہ صاحب تو موجود ہیں ناں ۔۔۔ ان کے ہوتے ہوئے ہمیں کیا غم ہے۔۔۔ وہ تو صاف کہہ چکے ہیں کہ ہمارے ملک میں کوئی

داعش نہیں ہے۔۔۔ یہ جو لوگوں کو مار رہے رہے ہیں، یہ داعش تھوڑے ہیں، یہ تو ہمارے مجاہد بھائی ہیں۔ وزیر داخلہ صاحب ٹھیک کہتے ہیں کہ یہ داعش نہیں ہیں، انہیں داعش کہنا داعش کی توہین ہے۔

یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

تحریر۔ساجد علی گوندل

Sajidaligondal55@gmail.com

آج دنیا کے ہر خطّے میں اسلام کے اصلی چہرے "اسلام ناب محمدی" کو مسخ کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ دہشت گردی، قتل غارت، بھرے گھروں کا ویراں ہو جانا، ڈر، خوف وو حشت جیسے تمام مفاہیم کواسلام کے ساتھ جوڑنے کی کوششیں جاری ہیں۔

دنیا میں بہت سارے سادہ لوح انسان دشمن کے اس بے بنیاد پروپیگنڈے کا شکار ہو چکے ہیں۔ان لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تمام چیزیں اسلام کالازمہ ہیں جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔

اسلام تو حقیقت میں امن، قربانی، ایثار اور پیار و محبت کی ایک روحانی دنیا ہے کہ جس کے حقیقی مفاہیم سے ابھی تک زمانہ ناآشنا ہے۔

اسلام امن وآشتی کا گہوارہ اور بہترین احساسات واصول وضوابط کاایک مضبوط قلعہ ہے کہ جس کے اندر ڈر، خوف، بدامنی و قتل وغارت جیسی کسی چیز کاوجود نہیں۔

اگر آج بھی کوئی اسلام کے ان تمام احساسات کو قریب سے درک کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ اربعین حسینؑ کے موقعے پر کربلا کی طرف نگاہ کرے۔ یہاں اسے حقیقی اسلام و تعلیمات اسلام مجسّم صورت میں نظر آئیں گی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا وہ کون سے عناصر ہیں کہ جنہوں نے اسلام کو یہاں لا کر کھڑا کر دیا کہ آج لوگوں کے ذہنوں میں دہشت گردی و اسلام ایک ہی سکے کے دو رخ محسوس ہوتے ہیں؟

کیوں آج دہشتگردی کے مفہوم کے ساتھ ہی اسلام کا مفہوم ذہن میں آتا ہے؟

کیا یہ نقصان اسلام کو صرف خارجی دشمن نے پہنچایا؟

یا پھر اسلام ہی کے اندر رہ کر اس کے داخلی و اندرونی دشمن نے؟ کہ جس کو آج تک امت مسلمہ پہچان ہی نہ پائی ہو۔

تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے افراد اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ طولِ تاریخ میں اسلام کا سامنا ہمیشہ اِن دونوں دشمنوں سے رہا ہے، بلکہ اگر اس طرح کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اسلام کے نشیمن پہ غیروں سے زیادہ اپنوں نے بجلیاں گرائیں۔ ہمیشہ سے جو غفلت امت مسلمہ سے ہوئی وہ یہی ہے کہ مسلمانوں نے اپنے خارجی و بیرونی دشمن پر تو نظر رکھی مگر اندرونی دشمن کی طرف اصلاً توجہ نہ دی، جس کا نتیجہ آج ہمیں بھگتنا پڑ رہا ہے۔

اسی طرح اگر آج بھی مسلمانوں نے اپنے اندرونی دشمن کو نہ پہچانا اور اسے اسلام کی صفوں سے باہر لا کھڑا نہ کیا تو کل شائد اس سے بھی زیادہ بدتر حالات کا سامنا کرنا پڑے۔

اس وقت مسلمانوں پر واجب ہے کہ تلاش کریں کہ ہماری صفوں میں موجود وہ کون لوگ ہیں کہ جنھوں نے اسلام کے سیاسی، نظریاتی، سماجی، معاشرتی و تعلیمی اصولوں پر کاری ضربیں لگائیں ہیں اور اسلامِ خالص کو تبدیل کرنے کی کوششیں کیں اور کر رہے ہیں۔ آج اسلام کے اندر جو فتنے جنم لے رہے ہیں، ان کو پہچاننے کی ضرورت ہے۔

جیسا کہ تمام علماء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دنیا کے تمام مسلمان آٹھویں صدی ہجری تک انبیاء(ع)، اولیاء و صالحین امت کے بارے میں کلمہ وحدت کے قائل تھے۔ پیغمبر اکرم(ص) کی زیارت کو مستحب وان سے توسل کو حکم قرآن واسلام سمجھتے تھے۔

بعد ازاں اسی آٹھویں صدی ہجری میں اسلام کے اندر ایک فتنۂ عظیم نے جنم لیا کہ جس کے افکار و پیروکار آج بھی کثرت سے دنیا میں موجود ہیں۔ اس فتنے کو دنیا نے سلف و سلفیت کے نام سے جانا۔ ابتداء اسلام ابھی تک اسلام کو جسقدر اخلاقی، سماجی و نظریاتی نقصان اس فتنۂ سلفیت نے پہنچایا،

تاریخ میں اس جیسی کوئی مثال نہیں ملتی۔

سلف لغت میں گذشتہ کو کہا جاتا ہے جیسے القوم السّلاف یعنی گذشتگان [1]

اسی طرح سلفی سلف کی طرف منسوب ہے۔

ایک قول کی بناء پر سلفی و سلفیت سے مراد دین، عقیدہ و شریعت کو سمجھنے کے لئے گذشتگان [یعنی صحابہ وصلحاءامت] کی طرف رجوع کرنا ہے [2]،

جبکہ ایک دوسرے قول کی بناء پر سلفی ووہابی میں کوئی فرق نہیں، دونوں ایک ہی سکے کے دورخ ہیں۔ان کے عقائد و نظریات باطل ہیں۔ یہ جزیرۃ العرب میں وہابی جبکہ باہر سلفی کہلائے [3]۔

آٹھویں صدی ہجری میں ابن تیمیہ نامی شخص نے اس فتنے کو جنم دیا۔ اس کا اصل نام ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم ہے۔ یہ 661ھ میں شام کے شہر حرّان میں پیدا ہوا۔

یہی وہ پہلا شخص ہے کہ جس نے پہلی دفعہ سلف صالح یعنی صحابہ کرام وتابعین عظام کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہوئے زیارت پیغمبر (ص) کو حرام قرار دے کر مسلمانوں کے درمیان پرچم بغاوت بلند کیا، جبکہ حقیقت میں اس کا صحابہ کرام وتابعین عظام کے نظریات سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں تھا۔اسی کو سلفیت کا بانی بھی کہا جاتا ہے،

لیکن اگر تاریخ کا دقت سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس فکر نے ابن تیمیہ سے پہلے ہی جنم لے لیا تھا۔

جیسا کہ حاکم نیشاپوری کی روایت کے مطابق سب سے پہلا شخص کہ جس نے تبرّک، توسل وزیارت پیغمبر اکرم (ص) کو حرام قرار دیا اور قبر رسول خدا (ص) کو پتھر سے تعبیر کیا، وہ مروان بن حکم اموی ہے[4]۔

اسی طرح حجاج بن یوسف کا شمار بھی انھیں افراد میں ہوتا ہے۔

مبرد[5] کی روایت کے مطابق حجاج کوفہ میں خطبہ دیتے ہوئے رسول اکرم (ص) کی قبر کی زیارت کرنیوالوں کے متعلق یوں کہتا ہے

"افسوس ہے ان لوگوں پر جو بوسیدہ ہڈیوں کا طواف کرتے ہیں۔ انہیں کیا ہو گیا ہے، یہ امیر کے قصر کا طواف کیوں نہیں کرتے، کیا نہیں جانتے کہ کسی بھی شخص کا خلیفہ اس کے رسول سے افضل ہوتا ہے[6]"۔

ذہبی {748ھ} [7] حجاج کے بارے یوں لکھتے ہیں "وہ ظالم، جبار، ناصبی، خبیث و سفّاک تھا۔ ہم اس پر سب وشتم کرتے ہیں اور اسے نہیں مانتے[8]"،

جبکہ مروان کے بارے

ذہبی یوں رقم کرتے ہیں "مروان کے اعمال بہت قبیح تھے، ہم خدا سے سلامتی کے طلبگار ہیں۔۔۔۔الی الآخر[9]"۔

یہی وہ فکرِ باطلہ تھی کہ جو چلتی چلتی ابن تیمیہ واسکے پیروکاروں تک پہنچی اوران لوگوں نے اس فکر کو دل وجان سے قبول کیا۔

خود ابن تیمیہ اور اس کے باطل نظریات کے رد میں علماءاسلام میں سے بہت سارے جید علماءنے قلم اٹھایاہے۔

جیساکہ تقی الدین سبکی کی ایک کتاب کہ جسکانام ہی"الدرة المضیئة فی الرد علی ابن تیمیه"ہے۔[10]

ذہبی اس بارے میں کہتے ہیں کہ "یقیناًابن تیمیہ نے عالم اسلام کے نیک افراد کو ذلیل کیا اوراس کے اکثر پیروکار کم عقل،دروغ گو،کند ذہن ومکارہیں۔"[11]

حصنی دمشقی {829ھ} یوں لکھتے ہیں"ابن تیمیہ کافروزندیق ہے۔۔۔الی الآخر[12]۔

اسی طرح ابن حجرہیثمی {973ھ} یوں بیان کرتے ہیں"ابن تیمیہ ایسا شخص ہے کہ جسے خداوند متعال نے اسکے اعمال کی وجہ سے اپنی رحمت سے دور رکھا،اسے گمراہ،اندھاوبہرہ بنادیااوراسے ذلیل ورسواکیا۔"[13]

اسی طرح بہت سارے علماء نے اس کے افکارِ باطلہ کو اپنی کتب یا فتاویٰ کے ذریعے ردّ کیا ہے۔

جن میں سرفہرست تاج الدین، تقی الدین سبکی،ابن حجر عسقلانی {852ھ}،ابن شاکر {764ھ}، ملا علی قاری حنفی {1016ھ}،اور شیخ محمود کوثری مصری {1371ھ} ہیں۔[14]

ابن تیمیہ کے افکار ہی تھے کہ جن کی بنا پر امت اسلامیہ کو نظریاتی و عملی طور پر دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ جو ان کے نظریئے کا حامل ہو وہ مسلمان، باقی تمام انسانیت کفر و گمراہی کے اندھیروں میں ہے۔ مگر اس پر مسلسل علماء اہل سنت و دیگر مکاتب فکر کے علماء کی شدید مخالفت کی وجہ سے ابن تیمیہ کے منحرف عقائد و نظریات ایک بڑی تباہی کی بنیاد ڈال کر بتدریج پس پردہ ہوتے چلے گئے۔ ایسا محسوس ہونے لگا کہ گویا ان نظریات کا وجود اب نہیں رہا۔ جیسے ہی امت مسلمہ نے اس سے غفلت برتی اور اس پہلو سے صرفِ نظر کیا، تو یہ سستی و غفلت سبب بنی کہ اس فتنے نے 12 ویں صدی ہجری میں ایک دفعہ پھر جنم لیا اور ساتھ ہی مسلمانوں کی وحدت پر ایک دفعہ پھر کاری ضرب لگائی۔

12 ویں صدی ہجری میں محمد بن عبدالوھاب نجدی نے ایک دفعہ پھر ابن تیمیہ کی فکر کو نہ صرف یہ کہ زندہ کیا بلکہ آل سعود کے زیر سایہ اسے عملی جامہ بھی پہنایا۔

محمد بن عبدالوھاب کی ولادت فتنوں کی سرزمین نجد میں ہوئی۔

محمد بن عبدالوھاب نے جس تحریک کا آغاز کیا کہ جو حقیقت میں تحریک ابن تیمیہ کا ہی تسلسل ہے، اسے وھابیت کے نام سے شہرت ملی۔[15] یہ وہی تحریک ہے کہ جس کے

متعلق صاحبِ کتاب "السلفیة و الوھابیة" نے کہاہے کہ "سلفی ووہابی ایک ہی سکے کے دورخ ہیں اوران میں کوئی فرق نہیں۔" [16]

جبکہ دوسری طرف شیخ نجدی [17] کے والد، دادا، چچاو بھائی محمد بن سلیمان کا شمار اہل سنت کے صحیح العقیدہ حنبلی علماء میں ہوتاہے۔ یہ تمام شیخ نجدی کے عقائد و نظریات کے سخت مخالف واسکی تحریک سے بیزار تھے۔

محمد بن عبدالوھاب کی تعلیمی سرگرمیوں پر اگر دقیق نگاہ ڈالی جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ شیخ نجدی کے تمام استاد انتہائی متعصّب و غیر مقلد تھے۔ ابن تیمیہ کی کتابوں وافکار سے مکمل طور پر متاثر تھے اور یہی تعلیم شیخ نجدی کو بھی دی۔

چنانچہ علامہ علی طنطاوی اس بارے میں یوں لکھتے ہیں کہ "مدینہ میں شیخ نجدی کی ملاقات دو ایسے اشخاص سے ہوئی کہ جو اس کی زندگی کارخ بدلنے میں بہت موثّر ثابت ہوئے، ان میں سے ایک کانام عبداللہ بن ابراہیم بن سیف تھاکہ جس کااوڑھنا، بچھونا ابن تیمیہ واسکے پیروکاروں کی کتابیں تھیں۔ [18]

اسی طرح ایک اور جگہ یوں بیان کرتے ہیں کہ " شیخ نجدی کہتاہے کہ ایک دن ابن سیف نے مجھے کہاکہ کیامیں تمھیں وہ ہتھیار دکھاوں کہ جو میں نے مجمع والوں کے لئے تیار کیا ہے؟ شیخ نجدی نے کہا؛ ہاں، ابن سیف اسے ایک کمرے میں لے گیا کہ جو ابن تیمیہ کی کتابوں سے بھراہواتھا۔

اسی طرح شیخ نجدی کا ایک اور استاد محمد حیات سندھی تھا کہ جو حضور (ص) و بزرگانِ دین کی تعظیم و شفاعت کا سخت منکر تھا۔ جو آیات کافرین کے بارے میں ہوتیں، انھیں مسلمانوں پر چسپاں کرتا۔

علامہ علی طنطاوی مزید لکھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نجدی نے جو تمام لوگوں کو کافر قرار دیا ہے، یہ ہندوستان کے اسی غیر مقلّد عالم کی تعلیم کا اثر ہے۔"[19]

اسی تعلیم و نظریاتِ باطلہ کو بنیاد بنا کر شیخ نجدی نے جزیرہ العرب میں نہتے مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔ مسلمانوں کی تکفیر، ان کے قتلِ عام اور انکے اموال لوٹنے کی اباحت میں شیخ نجدی خود لکھتے ہیں "اور تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ ان لوگوں {مسلمانوں} کا توحید کو مان لینا، انہیں اسلام میں داخل نہیں کرتا۔ ان لوگوں کا انبیاء (ع) و فرشتوں سے شفاعت طلب کرنا اور ان کی تعظیم سے اللہ کا قرب چاہنا، ہی وہ سبب ہے کہ جس نے ان کے ان کے قتل و اموال لوٹنے کو جائز کر دیا ہے۔[20]

جن نظریات و افکار کو شیخ نجدی نے بیان کیا اور ان کی ترویج کی، وہ بعینہٖ ہی ابن تیمیہ کے نظریات ہیں۔

شیخ نجدی نے بھی ابن تیمیہ کی طرح توسّل سے انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ "انبیاء (ع) کی عزّت و جاہ کے وسیلے سے دعا مانگنا کفّار سے مماثلت کی وجہ سے کفر ہے۔"[21]

مزید یہ کہ شیخ نجدی نے نہ صرف یہ کہ شفاعت سے انکار کیا ہے بلکہ شیخ نجدی کے نزدیک حضور (ص) سے شفاعت طلب کرنا ایسا کفر ہے کہ جس کے بعد شفاعت طلب کرنیوالے کا قتل کرنا اور اسکا مال و اسباب لوٹنا مباح ہو جاتا ہے [22] جبکہ اس کے بر عکس علماء اسلام اور بالخصوص امام اہل سنت محمد بن اسماعیل البخاری نے رسول خدا (ص) کے لئے شفاعت مطلقہ کا نظریہ اختیار کیا ہے [23] اور یہی مفہوم آیات قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا (ص) کو نہ صرف یہ کہ شفاعت کا اختیار ہے بلکہ شفاعت کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے "اور اللہ تعالیٰ سے ان لوگوں کی شفاعت کیجیئے، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ [24]

مزید یہ کہ شیخ نجدی نے تمام علماء اسلام کے اتفاق کے خلاف انبیاء (ع) و صلحاءِ امت سے استمداد و استغاثہ {یعنی مدد طلب کرنے کو} یدعون من دون الله کا جامہ پہنا کر عبادت غیر خدا قرار دیا [25]

جبکہ اس کے بر عکس امام بخاری، قاضی عیاض و دیگر محدثین یوں تحریر کرتے ہیں کہ "ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر کا پیر سُن ہو گیا، اس سے کسی نے کہا کہ جو تم میں سب زیادہ محبوب ہو، اس کا نام لو۔ عبداللہ نے بلند آواز سے کہا؛ یا محمد (ص)، تو ان کا پاوں اسی وقت ٹھیک ہو گیا۔ [26]

شیخ نجدی اپنے باطل افکار کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے عوامِ اہل سنت و علماء اہلسنت کے قتل کو جائز قرار دیا۔

اس بارے میں علامہ ابن عابدین شامی متوفی {1252ھ} کچھ یوں بیان کرتے ہیں کہ "محمد بن عبدالوھاب کی مثال خوارج جیسی ہے کہ جنہوں نے حضرت علی(ع) کے خلاف خروج کیا تھا۔ اس کا اعتقاد یہ تھا کہ مسلمان صرف وہ ہیں کہ جو اسکے موافق ہیں اور جو ان کے مخالف ہیں، وہ مسلمان نہیں بلکہ مشرک ہیں۔

اسی بنا پر اس نے اہل سنت اور علماء اہل سنت کے قتل کو جائز رکھا۔[27] شیخ نجدی کے افکار کو باطل ثابت کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ شیخ نجدی کے منابع مدّاعی نبوت، مسلیمہ کذّاب، سجاح، اسود عسنی، طلیحہ اسدی و ابن تیمیہ جیسے گمراہ کن لوگوں کی کتابیں ہیں کہ جن کا شیخ نجدی بڑے شوق سے مطالعہ کیا کرتا تھا۔[28]

لہذا یہی منابع و شخصیات سبب بنیں کہ شیخ نجدی گمراہی کے گھپ اندھیروں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

یہاں تک کہ اب خود رسول گرامی (ص) کی ذات بھی اس کے لئے قابل احترام نہ رہی۔ شیخ نجدی کے نزدیک رسول خدا (ص) پر تنقید کرنا ہی توحید کو محفوظ رکھنے کا واحد ذریعہ تھا۔" کبھی رسول خدا (ص) کو طارش یعنی چھوٹی رساں یا ایلچی کہتا، تو کبھی کہتا کہ واقعہ حدیبیہ میں بہت جھوٹ بولے گے تھے۔

اسکا اپنے حلقہ احباب کے اندر توہین رسالت کرنا اسقدر عام ہو گیا کہ ایک دفعہ اس کے سامنے اس کے ایک شخص نے کہا کہ "میری لاٹھی محمد (ص) سے بہتر ہے، کیونکہ یہ سانپ وغیرہ مارنے کے کام آتی ہے اور محمد (ص) فوت ہو چکے ہیں، اب ان میں کوئی نفع باقی نہیں رہا۔ وہ محض ایک ایلچی تھے، جو اس دنیا سے جا چکے۔"[29]

شیخ نجدی ان باتوں سے خوش ہوتا۔

اگر غور و فکر کے دامن کو پکڑا جائے تو یہ افکار کوئی نیا مکتب نہیں، بلکہ اُسی حجاج بن یوسف و ابن تیمیہ کے مکتب کا تسلسل ہے۔

شیخ نجدی کی نحوست و بد بختی اسقدر بڑھ گی تھی کہ اب اس کو رسول خدا (ص) پر درود پڑھنا سخت ناپسند تھا اور درود سننے سے اس کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ صرف یہاں تک ہی نہیں بلکہ کہا کرتا تھا کہ

کسی فاحشہ عورت کے کوٹھے میں ستار بجانے میں اسقدر گناہ نہیں ہے کہ جسقدر مسجد کے میناروں سے حضور (ص) پر درود پڑھنے کا ہے۔[30]

یہ ہیں وہ نظریات کہ جن کو شیخ نجدی نے عالم اسلام کے کونے کونے تک پہنچایا۔ دوسری طرف دنیا کے ہر خطّے میں موجود حق پرست علماء نے اس کے خلاف بھرپور قلم اٹھایا اور حتی الامکان اس کے نظریاتِ فاسدہ کا قلع قمع کرنے کی کوشش کی۔

شیخ ابی حامد مرزوق نے اپنی کتاب [31] میں تقریباً 42ان علماء کی فہرست مہیا کی ہے کہ جنہوں نے محمد بن عبدالوھاب کے عقائد باطلہ کے ردّ میں بڑی بڑی کتب تحریر کیں ہیں، تا کہ اس منحوس فتنے کے اثرات سے امت اسلامیہ محفوظ رہ سکے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فتنہ وھابیت، علماء اسلام کی شدید مخالفت کے باوجود، فتنہ ابن تیمیہ کی طرح ختم کیوں نہ ہوا؟ یہ آئے روز بڑھتا کیوں چلا گیا؟

اس کے پیچھے کیا محرکات واسباب کارفرما تھے اور ہیں؟

آخر کیوں یہ اسلام و مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن، ابھی تک ہماری صفوں میں کھڑا ہے؟

تاریخ اس بات کا ایک ہی جواب دیتی ہے کہ فتنہ وہابیت بھی دوسرے فتنوں کی دب جاتا اور بلآخر ختم ہو جاتا، مگر جیسے ہی یہ فتنہ اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا کہ عین اسی وقت اقتدار میں موجود خاندان آلِ سعود نے اسلام کے اس دشمن کو سہارا دیا اور اپنی آغوش میں پال کر بڑا کیا۔

اس بارے میں مفتی محمد عبدالقیوم یوں بیان کرتے ہیں کہ "محمد بن عبدالوھاب کا ظہور 1143ھ میں ہوا۔اسکی تحریک 1150ھ میں مشہور ہوئی۔

اس نے پہلے اپنے عقیدے کااظہار نجد میں کیااور مسلیمہ کذّاب کے شہر درعیہ کے امیر محمد بن سعود کواپناہمنوابنالیا۔پھرابن سعودنے اپنی رعایاپر زور ڈالا کہ وہ شیخ نجدی کی دعوت کو قبول کریں۔ پس اہل درعیہ نے مجبوراًدعوت قبول کرلی۔ شیخ نجدی کی دعوت پھیلتی گی، حتی کہ عرب کے قبائل یکے بعد دیگرے دعوت پر لبیک کہتے گئے۔"[32]ایک اور جگہ مفتی عبدالقیوم یوں لکھتے ہیں کہ "شیخ نجدی نے اپنے دین کو پھیلانے کاکام محمد بن سعود کے ذمے سونپ دیا۔وہ شرق وغرب میں اس کی دعوت پھیلاتااور سرعام کہتاکہ تم سب لوگ مشرک ہو، تمہارا قتل کرنا،مال واسباب لوٹنا جائز ہے۔ محمد بن سعود کے نزدیک مسلمان ہونے کامعیار فقط شیخ نجدی کی بیعت تھی۔

محمد بن سعود علی الاعلان کہا کرتا تھاکہ آئمہ اربعہ {امام شافعی،امام مالک،امام احمد اور امام ابو حنیفہ} کے اقوال غیر معتبر ہیں اور جنہوں نے مذاہب اربعہ میں کتابیں لکھیں ہیں، وہ لوگ خود بھی گمراہ تھےاور دوسرں کو بھی گمراہ کیا۔"[33]

محمد بن سعود نے اس ذمہ داری کو اتنے خلوص سے ادا کیا کہ شیخ نجدی نے محمد بن سعود کی خاطر "کشف الشبہات" نامی ایک رسالہ تحریر کیاکہ جس میں کھل کر اپنے عقائد فاسدہ کا اظہار کیا۔اس میں اس نے تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا،اور کہتا تھا کہ پچھلے 6 سو سالوں

سے تمام لوگ کافر و مشرک ہیں۔ابن سعود نے اس رسالے کو اپنی مملکت کی حدود میں نافذ کیا اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیتا اور شیخ نجدی کے ہر حکم کی تکمیل کرتا۔

پس محمد بن عبدالوھاب "نجدی" قوم میں ایک نبی کی شان سے رہتا تھا۔[34]اسی طرح پھر محمد بن سعود کے بعد عبدالعزیز بن سعود اور پھر سعود بن عبدالعزیز، یہ تمام خاندانِ آل سعود کے وہ ظالم و سفّاک افراد ہیں کہ جنہوں نے وہابیت کی بنیادوں کو مضبوط بنایا اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے۔

لہذا آج 12 ربیع الاول 1437ھ۔ق میں سعودی حکومت کا لاکھوں عاشقانِ رسول (ص) کو رسول خدا(ص) کی ذات گرامی پر درود پڑھنے کے جرم میں مسجد نبوی، صحن جبرائیل سے باہر نکال دینا کوئی نئی بات نہیں[35] کیونکہ یہ آج بھی وہی خاندانِ آلسعود ہے کہ جس نے کل وھابیت کی آبیاری کی تھی۔یہ آج بھی اسی شیخ نجدی کے پیروکار ہیں کہ جس نے امت کو دو حصوں میں تقسیم کیا تھا۔

آج دنیا میں جہاں کہیں بھی دہشتگردی، قتل و غارت کا بازار گرم ہے تو یہ سب سلف و سلفیت اور وہابیت جیسے افکار کے مرہونِ منت ہے۔القاعدہ ہو، لشکر جھنگوی، طالبان ہوں یا پھر داعش یہ سب انھیں افکار کے سائے میں پلے بڑھے ہیں۔ان کے نزدیک دنیا کا ہر انسان کافر و مشرک ہے۔لہذا کل کی طرح آج بھی یہ اسلام کے حقیقی چہرے کو تبدیل کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

مقام فکر تو یہ ہے کہ وہ خاندانِ آل سعود کہ جس کا عقائد اہل سنت سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں، وہ پوری اہل سنت کمیونٹی کی سرپرستی کا دعویٰ کس منہ سے کر سکتا ہے۔

الغرض یہ کہ آج دنیا کے کسی خطے میں بھی اگر اسلام کو مشکلات و دشواری کا سامنا ہے، تو اس کی وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ آج امت مسلمہ اپنے اندرونی دشمن کو نہیں پہچانا اور اسے اپنی صفوں سے باہر نہیں نکالا، یا پھر پوری امت مسلمہ، نہ جانے کن مصلحتوں کا شکار ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ آج مسلمانوں کو اپنے خارجی دشمن کے ساتھ ساتھ، اپنے اندرونی دشمن پر بھی نظر رکھنی ہو گی۔

آخر میں آل سعود کے بارے میں بس اتنا کہوں گا کہ اسلام نے ان کے مزاج، فطرت اور عادات کا کچھ نہیں بگاڑا، یہ ظہورِ اسلام سے پہلے جیسے تھے، آج بھی ویسے ہی ہیں

،بقولِ اقبال

یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

منابع:

[1] معجم مقاییس اللغۃ[مادہ سلف]ج۲ص ۳۹۰

[2]الصعوۃالاسلامیہ ص۲۵قرضاوی

[3]حسن بن سقاف ص۱۹طبع دارالامام النووی اردن، عمان

[4]مسند احمد بن حنبل ج۵ص ۴۲۲[مروان وجناب ابوایوب انصاری والی روایت]

[5]مبرد کا شمار نحو کے مشہور علماء میں ہوتا ہے

[6]الکامل ج اص ۱۸۵، شرح ابن ابی الحدید ج۱۵ص ۲۴۲

[7]اس کا اہل سنت کے معتبر و بزرگ علماء میں شمار ہوتا ہے

[8]سیر اعلام النبلاء ج۴ص ۳۴۳

[9] میزان الاعتدال ج۴ص۸۹

[10]تاریخ نجد وحجاز ص

[11]تکملۃ السیف الصیقل ص۹، الاعلان بالتوبیخ ص۷۷

[12]النفی والتغریب {طبسی} ۱۰۹، بحوث فی الملل والنحل ج۴ص ۵۰

[13]الدرر الکامنۃ ج اص۸۸تا۹۶

[14]طبقات الشافیعہ الکبریٰ ج۱۰ص۳۰۸

[15]تاریخ نجد وحجاز ص ۱۲۳امامحمد، فھو صاحب الدعوۃ التی عرفت باالوھابیۃ

[16]رجوع سابقہ حولہ نمبر ۳حسن بن سقاف

[17]محمد بن عبدالوھاب کامشہور لقب ہے۔ جہاں بھی شیخ نجدی آئے اس سے مراد محمد بن عبدالوھاب ہی ہے

[18]علی طنطاوی جوہری مصری متوفی ۱۳۵۳ھ محمد بن عبدالوھاب ص ۱۵

[19]محمد بن عبدالوھاب ص۱۶، ۱۷

[20]کشف الشّبہات ص ۲۰، ۲۱ عربی"و عرفت ان اقرارھم بتوحید الربوبیۃ لم یدخلھم فی الاسلام و ان قصدھم الملائکۃ الانبیاء والالیاء یریدون شفاعتھم والتقرب الی اللہ بذلک ھو الذی احّل دماءھم و اموالھم"

[21]تاریخ نجد وحجاز ص ۶۸

[22]تاریخ نجد وحجاز ص ۸۲

[23]مفہوم حدیث، صحیح بخاری ج ۱ص ۴۷

[24]واستغفر لھم اللہ ان اللہ غفور رحیم {آیت قرآنی}

[25]محمد بن عبدالوھاب ص ۲۳

[26]الادب الفرد ص ۱۴۲، شفاج ۲ص ۱۸

[27]ابن عابدین شامی ردالمحتار ج۳ص ۴۲۷، ۴۲۸

[28]تاریخ نجد و حجاز ص ۱۴۰

[29]تاریخ نجد و حجاز ص ۱۴۱، ۱۴۲

[30]ایضاً

[31]التّوسل بالنبی و جھلة الوہابیین ص۲۴۹تا۲۵۳

[32]تاریخ نجد و حجاز ص ۱۳۲

[33]ایضاً ص ۱۴۴

[34]ایضاً ص۱۵۹تا۱۶۰

[35]۹۲نیوز چینل {۱۲ربیع الاول}

تم۔۔۔جیو یا مرو ہمارا کیا

تحریر۔ساجد علی گوندل

Sajidaligondal55@gmail.com

حیران کیوں ہو؟۔۔۔

میں مسلسل دیکھ رہا ہوں کہ یہ انسان کبھی ادھر تو کبھی ادھر جا رہے ہیں۔

ذرا یہ بازار کی چہل پہل تو دیکھو۔۔یہ گاڑیوں کا سمندر۔۔۔وہاں نہیں اپنی دائیں طرف دیکھو۔۔ہاں میں بھی تو وہیں دیکھ رہا ہوں۔کیوں تمھیں نظر نہیں آرہا۔۔۔

وہ دیکھو بچے سکول جا رہے ہیں۔ہاں ہاں یہاں تو کوئی صرف، خرید رہا ہے یا بیچ رہا ہے ۔۔۔

وہ دیکھو وہاں وہ ریڑی والا کتنی بلند آواز لگا رہا ہے۔۔۔پر وہاں دوسری طرف تو غور کرو۔۔ بہت بڑی شیشے والی دکان والا تو خاموشی سے بیٹھا ہے۔۔۔اسے تو زیادہ آواز لگانی چاہے نا؟ اس کی دکان تو بڑی ہے۔۔۔۔

کیوں۔۔آج ایسے سوال کیوں کر رہے ہو۔۔۔۔؟

نہیں میں سوچ رہا ہوں کہ کیا ہوا ہے۔۔۔۔؟ کچھ بھی تو نہیں ہوا۔۔۔ وہ دیکھو موچی ۔۔ سبزی والا۔۔ لوہار۔۔ قصاب۔۔ کپڑے والا و دیگر سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔۔۔ زندگی تو معمول کے مطابق چل رہی ہے۔۔ کچھ نہیں ہوا، تو پھر آج میں اپنے ساتھ خود ہی کیوں باتیں کئے جا رہا ہوں۔۔۔؟

یہ آج مجھے کیا ہو گیا ہے، میرے ذہن میں اتنے ڈھیر سارے سوال کیوں جنم لے رہے ہیں ۔۔۔؟

آج مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ یہاں زندگی نہیں ہے۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ مجھے کچھ ہو گیا ہے ۔۔۔ میں ٹھیک نہیں ہوں۔۔۔۔ زندگی تو تحرّک و حرکت اور کھانے پینے کو کہتے ہیں نا ۔۔۔ ہاں وہ تو ہے یہاں۔۔۔ یہ سب تو میں دیکھ رہا ہوں۔۔۔ تو پھر میرے استاد کیوں کہتے ہیں کہ کائنات کے ہر ذرّے میں زندگی موجود ہے۔۔۔۔ نہیں۔۔ وہ غلطی پر ہیں۔۔۔ دیکھو یہ زمین و آسمان، پہاڑ، درخت اور بڑی بڑی وادیاں یہ سب مردہ ہیں۔۔۔ فقط انسان زندہ ہے۔۔۔

ارے ذرا اپنی دوسری طرف تو دیکھو۔۔۔ کیا۔۔۔ وہ خاتون اُس بچے سے کیا کہہ رہی ہے ۔۔۔ لگتا ہے وہ اس کی ماں ہے۔ بیٹا۔۔۔ نہیں۔۔ نہیں۔۔ نہیں۔۔۔ ماں۔۔۔ جب تک تم نہیں کھاؤ گے، میں بھی نہیں کھاؤں گی۔۔۔۔۔ بیٹا غصے سے۔۔۔۔۔ مجھے بھوک نہیں

ہے۔۔۔ماں۔۔۔تڑپ کر، آنکھوں میں آنسو۔۔۔تُونے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔۔۔
آجا تُو جو کہے گا میں لے کر دوں گی۔۔۔

کچھ تکرار کے بعد بیٹا ماں کے ساتھ چل دیا۔۔۔

کیا یہ ماں مسلمان تھی۔۔۔؟

نہیں، نہیں۔۔۔ماں تو ماں ہوتی ہے، مسلمان ہو یا کافر۔۔۔

میں اس منظر سے حیرت میں پڑ گیا۔۔۔یہ کیا تھا۔۔۔۔اتنی بے قراری و بے چینی اور
تڑپ کس لئے۔۔۔؟

ایک وقت کا کھانا نہ کھانے سے تو انسان کو کچھ نہیں ہوتا۔۔اور وہ بچہ کس قدر پُراعتمادی
سے ضد کئے جا رہا تھا۔ جیسے اسے یقین ہو کہ جب تک وہ نہیں آئے گا، وہ خاتون بھی نہیں
جائے گی۔۔۔نہیں، نہیں۔۔۔یہاں اس ظاہری منظر کے پس پردہ کچھ اور راز ہے، جو مجھے
آنکھوں سے دکھائی نہیں دے رہا۔۔۔۔یقیناً احساس، محبت و شفقت جیسے مفاہیم نے ان
کو آپس میں جوڑ رکھا ہے۔۔۔

بالکل۔۔۔اسی بناء پر ہی تو ایک طرف سے تقاضا اور دوسری طرف سے عطاء ہے۔۔۔
ابھی اسی الجھن میں ہی تھا کہ اچانک۔۔۔۔ٹھک۔۔۔۔کسی کے گرنے کی آواز تھی۔۔۔
پیچھے مڑ کر دیکھا۔۔ایک تقریباً 70 سالہ بوڑھا کہ جس کی کمر خم ہونے کے باوجود ایک

بھاری بوری اٹھائے ٹھوکر لگنے کی وجہ سے گرتا ہے۔۔۔۔یہ منظر زیادہ حیران کن تھا۔۔۔ آخر کیا سبب ہے کہ اس عمر میں اسقدر مزدوری۔۔۔؟کیا اسکو اپنے لئے دو وقت کی روٹی چاہیے۔۔۔؟ہر گز نہیں۔۔۔یہاں بھی بات کچھ اور ہے۔۔۔۔۔پر کیا۔۔۔؟

بھُول گئے۔۔۔یہ تو گھر کا سرپرست ہے۔۔۔۔سرپرست یعنی کیا۔۔۔؟ارے پاگل سرپرست یعنی بڑا ہونا کچھ ذمہ داریوں کو جنم دیتا ہے۔۔۔ہاں،ہاں سمجھا۔۔۔جیسے اللہ ہمارا سرپرست و خالق ہے تو اب اسکی ذمہ داری ہے کہ وہ ہماری تمام ضروریات کو پورا کرے ۔۔۔۔۔کیا یہ سرپرست مسلمان ہے۔۔۔ارے نہیں، نہیں سرپرست تو ذمہ دار ہوتا ہے، مسلمان ہو یا کافر۔۔۔۔تو پھر اس کو اسی احساسِ ذمہ داری نے ہی اس سخت کام پر مجبور کیا ۔۔۔۔میں یہ سب چیزیں دیکھ رہا تھا،پر درست سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اچانک میری نظر بازار میں ایک ایسے شخص پر پڑی کہ جس کے چاروں طرف لوگوں کا ہجوم تھا۔۔۔۔یہ پھر مقامِ حیرت۔۔۔۔۔۔۔یہ کون ہے۔۔۔۔؟اور لوگ اسقدر اسکے گرد کیوں جمع ہیں۔۔۔؟پوچھنے پر پتہ چلا کہ یہ ایک استاد ہے کہ جو ان کے بچوں کو درس پڑھاتا ہے۔۔۔لو پھر تو یہ وہی شخص ہے کہ جو ہمارے اندر پیار و محبت،امن و آشتی جیسے مفاہیم کو اجاگر کرتا ہے۔۔۔

یعنی یہ شخص معاشرے کے درمیان باہمی تعلق کا اہم ذریعہ ہے۔۔۔۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ استاد درست اور میں ہی غلطی پر تھا۔۔۔زندگی چلنے پھرنے و کھانے پینے کا نام نہیں

بلکہ ماں بیٹے میں پائے جانیوالے احساسِ محبت، سرپرست خانہ میں موجود احساسِ ذمہ داری واستاد کے اُجاگر کیئے ہوئے شعور اور اسی طرح معاشرے کے دیگر طبقات کے باہمی تعلقات کا مجموعہ ہے اور اسمیں کسی رنگ و نسل، مذہب و مسلک کی کوئی تقسیم نہیں ہے ۔۔۔۔ارے زندگی تو زندگی ہے کافر ہو یا مسلمان ۔۔۔۔پر یہ کیا۔۔۔۔؟ یہ لوگ کون ہیں جو سات دن سے اتنی دھوپ و گرمی میں بھوک برداشت کیئے ہوئے اسلام آباد کی سڑکوں پر ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔۔؟ کیا ان کے پاس رہنے کے لیے گھر یا کھانے کے لئے روٹی نہیں۔۔۔؟ کیا یہ پاگل ہیں۔۔؟ نہیں، نہیں بھئی پاگل کو بھی گرمی و سردی و بھوک کا احساس تو ہوتا ہے۔۔۔تو پھر یہ لوگ کون ہیں۔۔۔یہ کیا چاہتے ہیں۔۔۔کیا ان کو بھوک نہیں لگتی۔۔۔؟ کیا ان کا کوئی ماں جیسا شفیق نہیں کہ ان کی ضد کو پورا کر کے ان کو گھر لے جائے۔۔۔؟

کیا ان کا کوئی سرپرست و حاکم نہیں کہ جو ان کی ضرورت کو پورا کرے اور ان کو تحفظ دے ۔۔۔؟ کیا یہ مسلمان ہیں۔۔کیا ان کا سرپرست مسلمان ہے۔۔؟ کیا کشتی میں سوراخ ہونے سے صرف یہی ڈوبنے والے ہیں۔۔؟ کیا معاشرے میں باقی سب زندہ ہیں اور یہی مردہ ہیں کہ جو اپنی زندگی ڈھونڈنے نکلے ہیں۔۔۔کیا کراچی، کوئٹہ، پشاور، پاراچنار و پاکستان کے گردونواح میں مرنے والوں کا کوئی سرپرست نہیں۔۔کیا یہ سب مسلمان ہیں ۔۔؟

نہیں۔۔ نہیں۔۔ نہیں۔۔ یہاں ماں بھی مسلمان، بیٹا بھی مسلمان۔۔ سرپرست بھی مسلمان تو رعایا بھی مسلمان۔۔ استاد بھی مسلمان تو شاگرد بھی مسلمان۔۔ ظالم بھی مسلمان تو مظلوم بھی مسلمان۔۔ یہاں قاتل بھی مسلمان تو مقتول بھی مسلمان۔۔۔ یہ تو شہر ہی مسلمانوں کا ہے، یہاں کوئی کافر نہیں۔۔ ہاں۔۔ ہاں۔۔۔ یہی ٹھیک ہے۔۔ آج کائنات کا ذرّہ ذرّہ صدا دے رہا ہے کہ ۔۔۔ تم مر و یا جیو ہمارا کیا۔۔ کیونکہ آج کائنات کا ہر ذرّہ زندہ ہے، فقط انسان مردہ ہے۔۔

جس پیڑ پہ پھانسی لگنی ہو اسی پیڑ کو پانی دیتے ہیں

تحریر: ساجد علی گوندل

Sajidaligondal55@gmail.com

ظلم، عدل کی ضد ہے۔

کسی بھی چیز کی پہچان کا ایک طریقہ یہ کہ اس کی ضد کو سمجھا جائے۔ لہذا اس بناء پر ضروری ہے کہ ظلم کی تعریف سے پہلے عدل کی تعریف کی جائے۔

کسی بھی چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھنا عدل کہلاتا ہے، جبکہ ظلم یعنی کسی بھی چیز کو اس کے مناسب مقام و منصب سے ہٹا دینا ہے۔

انسان نہ تو فطرتاً ظلم کو پسند کرتا ہے اور نہ ہی اسے قبول کرتا ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب و مسالک میں چاہے وہ آسمانی ہوں یا غیر آسمانی ظلم قبیح مانا جاتا ہے۔

اسی طرح آج پوری دنیا ظلم کے خلاف مقاومت میں مصروف نظر آتی ہے۔ یہاں تک کہ طالبان، القاعدہ اور داعش جیسی انسانیت سے خارج تنظیموں کا بھی بظاہر یہی نعرہ ہے کہ ہم دنیا سے ظلم کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ان انسان سوز گروہوں اور ان کے پشت پناہوں نے

ملکر آج اسلام کے ایک مقدس پہلو "جہاد" کے نام پر پوری دنیا میں قتل و غارت، درندگی، عصمت دری، ڈر و خوف اور ویرانیوں کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ یہ قرآن کی اس آیت کا مصداق قرار پائے ہیں "اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فتنہ و فساد نہ پھیلاو، تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنیوالے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہوتا ہے کہ خبر دار یہی لوگ مفسد ہیں، لیکن اس بات کا شعور نہیں رکھتے۔"

یاد رہے کہ قتل و غارت کا نام جہاد نہیں بلکہ جہاد مادہ جھد سے ہے کہ جس کے معنی محنت و کوشش کرنے کے ہیں۔

لفظ مجتہد بھی اسی سے ہے۔ لہذا معنی و مفہوم کے لحاظ سے جہاد ہر اس محنت و کوشش کو کہیں گے کہ جو اس کے متعلقہ نظریے، تنظیم و مکتب کا دفاع کرے۔ دنیا کا ہر نظام اور ہر ادارہ اپنے اصولوں کے دفاع کے لئے ہر ممکنہ کوشش کرتا ہے۔ مگر آج داعش، لشکر جھنگوی اور ان جیسے دیگر درندہ صفت گروہ اسلام کے اصولوں کا دفاع نہیں کر رہے، بلکہ حقیقت میں یہ اپنے آقاؤں امریکہ، اسرائیل اور ان کے حواری سعودی عرب کا دفاع کر رہے ہیں اور ان کو ان کے آقاؤں کی طرف سے دی گئی تھیوری کے مطابق اسلام کو بدنام کرنا، ان کا سب سے بڑا ہدف ہے۔ اس وقت دنیا کے مختلف حصوں میں اسلامی جہاد کے نام پر جو درندگی و حیوانیت پھیلائی جا رہی ہے، اسکا اسلام و جہاد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس وقت جہاد کے نام پر معصوم لوگوں کا خون بہایا جارہا ہے، جبکہ موجودہ صورت حال میں جہاد کو اس کے اصلی معنی و مفہوم سے ہٹا کر دیگر معنوں میں لے جانا ہی ظلم کی بہت بڑی مثال ہے۔

آج حقیقت میں دنیا سے ظلم کے خاتمے کے لئے پہلے ہمیں مفہومِ ظلم کو سمجھنے، اپنے زمانے کے ظالم کو پہچاننے اور پھر اس کے خلاف عملی اقدام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ آج ظلم کے چھوٹے چھوٹے مصادیق سے اجتناب کرنے سے کل ایک ظلم سے پاک معاشرہ تشکیل پائے گا۔ آج ہمارا معاشرہ پوری طرح سے ظلم و جبر کی لپیٹ میں آچکا ہے۔ معلوم ہو کہ جس طرح کسی بے گناہ کا قتل کرنا ظلم ہے، بالکل اسی طرح ہی رشوت لینا، اپنی ذمہ داری کو انجام نہ دینا، کرپشن، مجرموں کے ساتھ تعاون، میرٹ کی بجائے سفارش کا عام ہونا، بڑے و امیر لوگوں کا قوانین سے بری ہونا، نوجوانوں کی بے راہ روی، معاشرے میں نشہ و غیر اخلاقی اقدار کا عام ہونا اور اس پر افراد کی مکمل خاموشی، بدکردار و بدمعاش حکمرانوں کا انتخاب کرنا، امریکہ کی پاکستان میں مداخلت اور اسی طرح سعودی عرب کی پاکستان میں بدمعاشیاں، یہ سب ظلم کی مثالیں ہیں۔

آج پھر ڈاکٹر محمد علی نقویؒ کی سیرت پر پر چلتے ہوئے ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کی ضرورت ہے۔ یہ وہ شخصیت ہیں کہ جس نے پہلی مرتبہ "مردہ باد امریکہ" کا نعرہ لگا کر سرزمین پاکستان پر ظلم و استبداد کو للکارا۔

محمد علی نقوی وہ بابصیر انسان تھے کہ جن میں ظلم کے مفہوم سمجھنے، زمانے کے ظالم کو پہچاننے اور اس کے خلاف عملی اقدام کرنے کی ہمت رکھتے تھے۔

شہید ڈاکٹر کہا کرتے تھے کہ امریکہ مردہ باد سیاست نہیں بلکہ ظلم کے خلاف میدان عمل میں آنے کا نام ہے۔ جس طرح کل کربلا میں یزیدیت مردہ باد اسلام کا دفاع تھا، بالکل بعینہ اسی طرح آج امریکہ مردہ باد سیاست نہیں، عین دین اسلام کا دفاع ہے۔

ڈاکٹر کے مطابق مسلمانوں کا بڑاالمیہ یہ ہے کہ نہ تو وہ زمانے کے ظالم کو پہچان پاتے ہیں اور نہ ہی مبارزے کے لئے میدان عمل میں آتے ہیں، بلکہ پوری زندگی گذشتہ زمانے کے طاغوت سے بیزاری میں گزار دیتے ہیں۔ جیسا کہ فرعوں کے زمانے کے لوگ موجودہ ظالم فرعون کے بجائے گذشتہ کردار شدّاد کو ظلم گردانتے، یزید کے زمانے کے لوگ یزید کو چھوڑ کر فرعون و شداد کو مفسد فی الارض سمجھتے۔ آج پھر مسلم دنیا کا یہی حال ہے کہ اپنے زمانے کی موجودہ یزیدیت و طاغوت، امریکہ و اسرائیل اور تکفیریوں کی پشت پناہی کرنیوالے آل سعود کو چھوڑ کر ایک مردہ یزیدی کردار سے اظہار نفرت میں لگی ہے۔

ہر سال حج پر جانے والے حاجی اپنے زمانے کے شیطان کو کنکریاں مارنے کے بجائے پتھر کے شیطان کو کنکریاں مارنے پر اکتفاء کرتے ہیں، جبکہ شہید ڈاکٹر نے 1988ء میں حج کے دوران اپنے زمانے کے شیطان کے خلاف آواز اٹھائی اور 16 مئی کو سرزمین پاکستان پر یوم مردہ باد امریکہ منا کر اپنی بصیرت و ظلم کے خلاف عملی میدان میں آنے کا ثبوت دیا۔

ڈاکٹر کا یہ نظریہ تھا کہ جس معاشرے میں عدل طاقتور کا سہارا بن جائے تو وہ معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف شہید ڈاکٹر ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کے ساتھ ساتھ عالم اسلام کے اتحاد کے بھی داعی تھے۔ان کی یہ خواہش تھی کہ پورا عالم اسلام یک جان ہو کر ظلم و ظالم کے خلاف میدان عمل میں آئے۔فکرِ شہید ڈاکٹر یہ تھی کہ دنیا کے کسی بھی خطے میں اگر ظلم ہو تو تمام ملت اسلامیہ کو اس ظلم کے خلاف آواز اٹھانی چاہیئے۔جیسا کہ عراق و افغانستان جنگ کی مذمت کرنا، لبنانی و فلسطینی مسلمانوں پر ڈھائے جانیوالے مظالم کی مذمت کرنا، 1992ء میں کشمیر و فلسطین کانفرنس منعقد کروانا، اسی طرح نعرہ "برائت از مشرکین" کے جرم میں 1987ء میں سعودی عرب کا ایرانی حجاج پر گولیاں چلانے پر، حج سیمینار منعقد کروانا۔یہ سب شہید ڈاکٹر کی ظلم سے برائت کی واضح مثالیں ہیں۔

شہید ڈاکٹر بقول اقبالؒ "خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کرے" وہ ملت و قوم میں آنیوالے تباہی کے طوفاں سے آشنا تھے۔ لہذا ان کی زندگی حرکت و اضطراب سے پُر تھی۔وہ قوم کو آنیوالی تباہی سے بچانے کے در پے تھے اور ان کے مطابق ظلم کے خلاف میدان عمل میں آنا ہی اس تباہی کو روک سکتا ہے۔

شہید ڈاکٹر کے دشمن کے مقابلے میں جذبات کچھ یوں تھے

"اے دشمن اگر ظلم کے خلاف لڑتے ہوئے میرے ہاتھ چلے بھی گے تو پاؤں سے لڑوں گا اور اگر یہ بھی نہ رہے تو زباں سے یہ فریضہ انجام دوں گا اور اگر اس نے بھی وفا نہ کی تو حتماً

آنیوالی ہر سانس سے ظلم کے پرچم کو سرنگوں کروں گااور اگر سانس بھی نہ رہی تو یہ نہ سمجھنا کہ ظلم کے خلاف آواز دب گئی، بلکہ یاد رکھو کہ میرے خون کا جو قطرہ بھی زمین میں جذب ہو گااور اس سے اگنے والا اناج تاقیامت جو نسل کھائے گی، وہ ظلم کے خلاف آواز اٹھائے گی"۔

شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ جس راہ پر انھوں نے قدم رکھا ہے، اس کا یقینی انجام موت ہے، مگر ڈاکٹر کی نظر میں منزل کچھ اور تھی۔

بقول شاعر

شاہد ہے ادائے میثم بھی ہم ہیں وہ علیؑ کے دیوانے

جس پیڑ پہ پھانسی لگنی ہو اس پیڑ کو پانی دیتے ہیں

ایک جامع شخصیت واسوہ حسنہ

تحریر.... ساجد علی گوندل

Sajidaligondal55@gmail.com

صدیوں پرانی بات ہے کہ موجودہ عربستان میں ایک عظیم الشان بادشاہ ہوا کرتا تھا ۔اس کی سلطنت کی حدود ،ایک یا دو ملکوں تک نہیں، بلکہ پورے موجودہ عربستاں، روم و فارس تک پھیلی ہوئیں تھیں ۔ مگر دنیا کے دیگر تمام سلطانوں سے ہٹ کر اس بادشاہ میں بہت ساری خوبیاں و خصوصیات تھیں کہ جس کے سبب یہ عظیم سلطان موجودہ تمام بادشاہوں اور آئندہ آنیوالے تمام رہبروں ولیڈروں کے لیے، ایک رول مڈل و نمونہِ عمل کے طور پر باقی رہا اور رہے گا۔ کہ جن میں اس کا انتہائی رحم دل، خوش اخلاق ، سخی ، شجاع ،خوبصورت و باقی تمام کمالات عالیہ سے لبریز ہونا شامل تھا۔ مشکل یہ تھی کہ جس قوم میں اس عظیم لیڈر نے آنکھ کھولی، اس کی موجودہ صورت حال انتہائی آلودہ، پست اور اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی ۔ ایسے وقت میں اس عظیم انسان نے اپنے کردار سے اس قوم کو ذلت و پستی کے گھپ اندھیروں سے باہر نکالا۔ اس کی زوجہ یعنی ملکہ جو کہ ایک انتہائی مال دار خاتون تھی نے بادشاہِ وقت کی تحریک میں اس کا بھرپور ساتھ دیا۔

یہاں تک کہ اس نے اپنے مال کاذرّہ ذرّہ،اپنے شوہر کے مشن پر قربان کر دیا۔زندگی کا پہیہ اسی طرح چلتا رہا اور خداوند متعال نے ان کو بیٹوں سے نوازا۔مگر افسوس کہ سلطان کے تمام بیٹے بچپنے میں ہی انتقال کر گئے۔اس پر بھی انہوں نے خداوند متعال کی حمد و ثنا بجھالائی اور کبھی بھی ان کی زبان پر شکوہ جاری نہیں ہوا۔چند ہی عرصہ بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ایک پھول جیسی بیٹی عطا کی ۔جس پر سلطان نے بیٹی کو اپنا سرمایہءِ زندگی سمجھتے ہوئے اس پر فخر محسوس کیا اور اس رحمت خدا پر دونوں نے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔

ابھی وہ بچی تقریباً پانچ سال ہی کی تھی کہ وہ معصوم،آغوش مادر سے محروم ہو گی۔کہ جس پر اس کی پرورش کی ذمہ داری خود اس کے والد بزرگوار نے اٹھائی۔سلطانِ وقت نے اپنی بیٹی کی تربیت کچھ اس طرح سے کی کہ بعد میں اسی بیٹی کا کردار زمانے کے لیے نمونہِ عمل قرار پایا۔یہاں قابل فکر نکتہ یہ ہے کہ اسی بیٹی کے جوان ہونے پر ،اسی عربستاں ،روم وفارس کے سلطاں نے جب اپنی بیٹی کی شادی کی تو انتہائی سادگی سے ،نہ کہ آج ہماری طرح کم از کم 8سے 10لاکھ لگا کر۔اس کے باوجود کہ اس کے پاس شرق و غرب کی سلطنت تھی،اس کی بیٹی کے جہیز پر نگاہ ڈالنے سے انسان حیرت کے سمندر میں طوطہ زن ہو جاتاہے۔کہ جس میں فقط ایک پیراہن ،چار تکیے ،ایک چکی ،ایک تانبے کا طشت ،ایک چمڑے کا ظرف ،وچند مٹی کے برتن شامل تھے۔اور دوسری طرف وہی بیٹی ،جب ایک بیوی کے روپ میں شوہر کے گھر جاتی ہے ،تو وہی سلطاںِ عالم کی بیٹی گھر کے سارے کام کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

جن میں آٹا گوندھنا،روٹی بنانا،چکی چلانا، و جھاڑو دینے سے لے کر گھر کے دیگر تمام چھوٹے بڑے کام شامل تھے ۔وہ تربیتِ یافتہ خاتون، بیٹی کے ساتھ ساتھ ایک ایسی زوجہ تھی کہ جس کی زندگی کے مطالعے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کبھی بھی اپنے شوہر سے ایسی فرمائش نہیں کی، کہ جسے اس کا شوہر پورا نہ کر سکے۔اپنے شوہر کے ساتھ انتہائی مہربان اور اس کی زندگی سچ سے لبریز تھی۔ جبکہ اسی خاتون کے تاریخی کردار کو اگر پردہ داری کے لحاظ سے پرکھا جائے تو اس کی پردہ داری کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتاہے ، کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اس خاتون کے گھر اس کے والد کے ساتھ ایک نابینا شخص ان کے ہاں آیا۔تو فوراًہی اس پاکیزہ خاتون نے اپنے آپ کو ایک چادر میں چھپالیا ۔اس پر اس کے والد بزرگوار نے کہا کہ تم نے اپنے آپ کو چادر میں کیوں چھپالیا ہے؟ جبکہ یہ شخص تو نابینا ہے۔تو اس پر اس خاتون نے جواب دیا، کہ بے شک یہ نابینا ہے اور کچھ نہیں دیکھ سکتا مگر میں تو بینا ہوں اور میں تو اس کو دیکھ سکتی ہوں۔لہذا میں نے اپنے آپ کو چھپایا ہے۔

اسی طرح جب کسی موقعہ پر اس خاتون سے کہ جو ایک اچھی بیٹی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک باکردار زوجہ بھی تھی سوال پوچھا کیا گیا کہ ،آپ کی نظر میں عورتوں کے لیے سب سے بہتر چیز کیا ہے؟ تو اس پر اس خاتون نے اتنا خوبصورت جواب دیا کہ جسے تاریخ نے ہمیشہ کے لیے اپنے سینے میں محفوظ کرلیا ۔"کہا کہ عورتوں کے لیے سب سے بہترین چیز یہ ہے کہ وہ کسی غیر مرد کو نہ دیکھیں اور کوئی غیر مرد اِن کو نہ دیکھے"۔اس

شہزادی کی تربیت اسقدر پاکیزہ تھی کہ جس اندازہ لگانا ممکن نہیں۔ فقیروں ومحتاجوں کی حاجت روائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی۔ایک دفعہ گھر کے باہر کسی محتاج نے پرانے لباس کی درخواست کی۔ مگر ہوا یہ کہ اس خاتون نے اپنا نیا شادی والا لباس محتاج کو عطا کیا اور خود پیوند شدہ لباس زیبِ تن کرلیا۔الغرض یہ تاریخ کا ایک ایسا کردار ہے کہ جو تمام معنوی کمالات وصفات عالیہ سے پُر ہے ۔اور یہ کردار آج بھی ہماری ماؤں، بہنوں و بیٹیوں کے لیے مکمل نمونہِ عمل ہے۔ ایک ایسی مشعلِ راہ ہے کہ جس کی روشنی میں چلتے ہوئے وہ اپنی زندگی کے بہترین لمحات کو طے کے سکتیں ہیں۔اور یاد رہے کہ یہ بیٹی کوئی اور نہیں بلکہ سید الانبیاء رسول گرامیِ قدر حضرت محمد مصطفیٰ(ص) کی دخترِ نیک اختر سیدۃ النساء العالمین حضرت فاطمۃ الزھراء(س) ہیں۔ یہ ایک بیٹی اور زوجہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ایسی ماں بھی ہیں کہ جس نے اپنی تربیت سے زمانے کو حسنؑ و حسینؑ جیسے رہبران و لیڈر دیے۔ بلاشبہ حضرت زھراء(س) آج اور آئندہ آنیوالی تمام انسانیت کے لیے اسوہ حسنہ ہیں۔ آپکیؑ ولادت باسعادت جمعے کے دن 20 جمادی الثانی، بعثت کے 5ویں سال سرزمین مکّہ میں ہوئی۔

آپکاؑ اسم مبارک فاطمہ (س) جبکہ مشہور ترین القاب میں سے زھراء، بتول، صدیقہ الکبریٰ، عذرا، طاہرہ، اور سیدۃ النساء العالمین ہیں۔ آپکیؑ والدہ ماجدہ ملیکۃ العرب سیدہ خدیجہ الکبریٰؑ ہیں۔ آپکیؑ شہادت 11 ھجری مدینہ منورہ میں، رحلتِ رسول خداؐ کے 75 یا 95 دن بعد ہوئی۔ آپکیؑ وصیت کے مطابق آپکوؑ شبِ تاریخی میں سپرد خاک کیا گیا اور قبر کے نشان کو مٹا دیا گیا کہ جو آج تک مخفی ہے۔ آپکیؑ عظمت وفضیلت میں رسول خداؐ کی مشہور حدیث کہ جس میں آپؐ نے فرمایا کہ "فاطمہؑ میرا جگر کا ٹکڑا اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، جس نے فاطمہؑ کو ناراض کیا اسنے مجھ محمدؐ کو ناراض کیا اور جس نے فاطمہؑ کو خوش کیا اس نے مجھ محمدؐ کو خوش کیا"[1]۔

لہذا آج معاشرے میں پھر سے جناب سیدہؑ کی زندگی کے تمام پہلو اُجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ اس جامع کردار کے ذریعے آج کے ترقی یافتہ معاشرے میں موجود جاہلانہ رسومات کو ان کی جڑ سمیت تہ تیغ کیا جاسکے۔